

سرمایہ اردو

(قومی نصاب ۲۰۲۳ء کے مطابق)

گیارھویں جماعت کے لیے



پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق (کالی راست) بحق پنجاب کریکولم اینڈ میکسٹ پک بورڈ لا ہو محفوظ ہیں۔

یہ کتاب پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور کی تیار کردہ ہے۔ تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کا کوئی حصہ کسی امدادی کتاب، خلاصہ، ماذل پیپر یا گاسیڈ وغیرہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

مُؤْلَفُین

ایم اے او کانج، لاہور

☆ یرو فیسر (ر) محمد ظفر الحق چشتی

(سابق) سینئر سبجیکٹ سپیشلیست، اردو، پنجاب ایگزامنیشن کمیشن، لاہور

☆ محمد طاہر صدیقی

ایسوی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکر یا یونیورسٹی، ملتان

☆ ڈاکٹر محمد خاور نواز ش

اسٹٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

☆ پروفیسر طارق جدیب

لیکچرر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف نارووال

رانا حسنان محمود ☆

ادارت: داکٹر جمیل الرحمن

نظر ثانی: ڈاکٹر علی محمد خاں

کریکولم کو آرڈینیشن: ڈاکٹر محمد سعید سرور

مگران طباعت:

☆ محمد ظہیر کا شر و لٹو

☆ ڈاکٹر جمیل الرحمن ☆ سرفراز احمد فتنیانہ

ڈپٹی ڈائریکٹر (گرافس) : محترمہ عائشہ صادق

ڈاکٹر یکشٹر (مسودات): محترمہ ریحانہ فرحت

ڈیپٹی ڈائریکٹر: صفت رولید

کپوزنگ: محمد جمیل کنیرا

تیار کرده: پنجاہ کریکولم اینڈ شیکست بک بورڈ، لاہور

ڈیزائنگ: حافظ انعام الحق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُ كَنَامِ سَشْرُوْجِ بُوْرَاهِيْرَان، تَهَايِتِ رَحْمَ فَرْمَانِ دَالَاهِيْ.

فہرست

نمبر شار	عنوان	صفہ نمبر
۱	حمد	۵ حفیظ تائب
۲	لغت	۹ سید نصیس الحسینی نصیس
حصہ شعر		
۳	اخلاقی نبوی ﷺ	۱۲ عالم میں نعمانی
۴	ایک استاد عدالت کے کھرے میں	۲۲ اشناق احمد
۵	چار پائی	۳۲ رشید احمد صدیقی
۶	مکاتیب غائب	۳۹ اسداللہ خاں غالب
۷	فاقہ میں روزہ	۳۶ خواجہ حسن نظامی
۸	پاکستانی زبان میں اور ان کا باہمی رشتہ	۵۵ ڈاکٹر ممتاز منگوری
۹	ولیز	۶۲ امجد اسلام امجد
۱۰	اور پاکستان بن گیا	۷۲ خدیجہ مستور
۱۱	نیا قانون	۸۲ سعادت حسن مندو
۱۲	تاریخ کا کفن	۹۳ امر جلیل
حصہ نظم		
۱۳	اے وادی لولا ب!	۱۰۳ ڈاکٹر علیٰ محمد اقبال
۱۴	او دیں سے آنے والے بتا	۱۰۷ آخر شیرانی
۱۵	آزادی	۱۱۲ احسان داش
۱۶	اخلاص	۱۱۷ رحمان بابا
۱۷	کھدا ڈزر	۱۲۱ سید محمد جعفری
حصہ غزل		
۱۸	پتا پتا بونا بونا حال ہمارا جانے ہے	۱۲۵ میر تقی میر
۱۹	سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں	۱۳۰ فراق گورکھ پوری
۲۰	بے چین بہت پھرنا، گھبرائے ہوئے رہنا	۱۳۵ منیر نیازی
۲۱	سلسلے توڑ گیا وہ بھی جاتے جاتے	۱۳۰ احمد فراز
۲۲	باد بان کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا	۱۳۲ پروین شاکر
	فرہنگ (بـ لحاظ الف بـ ترتیب)	۱۳۷





حفیظ تائب

(۱۹۳۱ء۔۲۰۰۳ء)

حفیظ تائب کا اصل نام عبدالحفیظ منہاس ہے مگر وہ اپنے قلمی نام حفیظ تائب سے اتنے معروف ہوئے کہ لوگ ان کا اصل نام بھول گئے۔ ان کا آبائی وطن تحصیل وزیر آباد کا ایک نواحی قصبہ احمد نگر ہے جہاں آپ کے والد حاجی چراغ دین منہاس ایک بڑے نیکوکار معلم اور امام و خطیب کے طور پر جانے جاتے تھے۔ حفیظ تائب نے عربی، فارسی کی بنیادی تعلیم اپنے والد سے اور مذہل تک کی روایتی تعلیم اپنے قبصے کے مذہل سکول سے حاصل کی اور ۱۹۴۱ء میں میڑک زمیندار ہائی سکول گجرات سے پاس کرنے کے بعد زمیندار کالج گجرات میں پری انجینئرنگ کالس میں داخلہ لے لیا مگر ان کا طبعی میلان چوں کہ شعروشاوری کی طرف تھا اس لیے کالج کی تعلیم ترک کر دی اور ۱۹۴۷ء تا ۱۹۴۸ء میں برقيات اور واپڈا میں ملازمت کی مگر اس دوران میں اردو فاصلہ اور پنجاب یونیورسٹی سے پرانیویٹ امیدوار کے طور پر ایم۔ اے پنجابی کے امتحانات پاس کر لیے اور واپڈا کی ملازمت کے ساتھ ساتھ جزوی اسٹاد کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ پنجابی کے ساتھ مسلک ہو گئے اور جب واپڈا کی ملازمت سے ریٹائرمنٹ لی تو پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ پنجابی میں باقاعدہ طور پر کنٹریکٹ پڑھانے لگے اور یہ سلسلہ ۲۰۰۳ء تک بخیر و خوبی جاری رہا۔

حفیظ تائب پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ مسلک ہونے سے پہلے بھی ایک مشہور حمد و نعمت گو کی حیثیت سے پاکستان اور بیرون پاکستان جانے جاتے تھے اور ان کے ماصین و مدد و حمیں قابلِ رشک تعداد میں موجود تھے۔ وہ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں حمد و نعمت اور مناجات کہتے تھے۔

حکومتِ پاکستان نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں ۱۹۹۳ء میں تمغۂ حسن کا رکورڈگی عطا کیا اور اہل لاہور نے ان کی بے مثال کارکردگی کے پیش نظر لاہور کی ایک اہم سکیم علامہ اقبال ناؤن کی سب سے اہم اور بڑی میڑک کا نام ان سے منسوب کیا۔

حفیظ تائب کے اب تک گیارہ شعری مجموعے چھپ چکے ہیں اور وہ ”کائنات حفیظ تائب“ کے نام سے کلیات کی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں مگر جہاں ان کی نعمت گوئی کے میدان میں خدمات بے مثال ہیں وہیں ان کے ہر مجموعے میں حمدیں بھی لازوال ہیں۔ شاملِ نصاب ”حمد“، بھی ایک اعلیٰ پائے کا کلام ہے جس میں لفظوں کی تکرار اس طرح کی گئی ہے کہ یہ تکرار لفظی حمد کی شان بن گئی ہے۔



حَمْدُ

تدریسی مقاصد:

- طلب کو حمد کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے آگاہ کرنا۔
- طلب کو قرآن و سنت کی تعلیمات سے آگاہ کرنا اور ان کی اسلامی معلومات میں اضافہ کرنا۔
- طلبہ کی کردار سازی کرنا اور زندگی میں اخلاقی اصولوں، نیک اعمال کی اہمیت کو جاگر کرنا۔
- طلبہ میں اسلامی اتحاد اور محبت کے احساسات میں اضافہ کرنا۔

کس کا نظام راہ نما ہے اُفقِ اُفق
 کس کا دوام گونج رہا ہے اُفقِ اُفق
 شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبلِ جبل
 رنگِ جمال کس کا جما ہے اُفقِ اُفق
 کس کے لیے نجومِ بکف ہے روشن روشن
 بابِ شہود کس کا ٹھلا ہے اُفقِ اُفق
 کس کے لیے نرودِ صبا ہے چمن چمن
 کس کے لیے نمودِ نیا ہے اُفقِ اُفق
 مکتوم کس کی موچِ کرم ہے صدفِ صدف
 مرقوم کس کا حرفِ وفا ہے اُفقِ اُفق
 کس کی طلب میں اہلِ محبت ہیں داغ داغ
 کس کی ادا سے حشر پا ہے اُفقِ اُفق
 سوزاں ہے کس کی یاد میں تائبَ نفسِ نفس
 فُرقت میں کس کی ، شعلہ نوا ہے اُفقِ اُفق

(کائناتِ حفیظ تائب)



مشق

۱۔ مختصر جواب دیں۔

- (الف) حفیظ تائب کی شاعری کے بنیادی موضوعات کیا ہیں؟
- (ب) حفیظ تائب کی وجہ شہرت شاعری کی کون کون سی اصناف ہیں؟
- (ج) حرف و فاء افق مرقوم کرنے کا مطلب کیا ہے؟
- (د) شانِ جلال اور نگِ جمال سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
- (ه) اس نظم کی ہیئت کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

۲۔ حوالوں کے ساتھ درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

مکتوم کس کی موجِ کرم ہے صدفِ صدف
مرقوم کس کا حرفِ وفا ہے افقِ افق
کس کی طلب میں اہلِ محبت ہیں داغِ داغ
کس کی ادا سے خر پا ہے افقِ افق
سوزاں ہے کس کی یاد میں تائبَ نفسِ نفس
فرقت میں کس کی شعلہ نوا ہے افقِ افق

۳۔ طلبہ باری باری بلند آواز میں ایک ایک شعر دوست تلفظ اور لب و ہجہ کے ساتھ پڑھیں اور ان اشعار میں موجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات پر تبصرہ کریں۔

۴۔ درست جواب کی نشان وہی کریں:

(i) افقِ افق راہ نما ہے:

(د) جام	(ج) نام	(ب) دوام	(الف) نظام
---------	---------	----------	------------

(ii) جبل جبل عیاں ہے:

(د) قال	(ج) جلال	(ب) کمال	(الف) جمال
---------	----------	----------	------------

(iii) صدفِ صدف میں مکتوم ہے:

(د) فضل و کرم	(ج) موجِ کرم	(ب) کرم	(الف) موج
---------------	--------------	---------	-----------

(iv) اللہ کی محبت میں داغ داغ ہیں:

(د) اہلِ شریعت	(ج) اہلِ ثروت	(ب) اہلِ محبت	(الف) اہلِ عقیدت
----------------	---------------	---------------	------------------

(v) شعلہ نوائی کا سبب ہے:

(الف) محبت (ب) وصال (ج) فرقہ (د) دیدار

۵۔ لغت کی مدد سے درج ذیل الفاظ کے معانی تلاش کریں اور اعراب لگا کر درست تلفظ واضح کریں:

جبل	جلال	دوام	افق	نظام
حشر	سوزاں	مرقوم	صدق	مکتوم

اصناف شعری (موضوع کے اعتبار سے):

حمد: جس نظم میں اللہ تعالیٰ کی وحدائیت، ربوبیت، یکتاںی اور دیگر صفات کا بیان ہو۔

نعت: جس نظم میں سرکارِ دو عالم خاتم النبیو ﷺ کی شان و شوکت، اوصاف و افعال کا بیان ہو۔

منقبت: جس نظم میں اہل بیت، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اولیائے عظام، بزرگانِ دین یا کسی معروف شخصیت کے اوصاف بیان کیے جائیں۔

مناجات: جس نظم میں اللہ کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے رقت انگیز انداز میں اچانکیں اور دعا کیں کی جائیں۔

۶۔ اصناف شعری کی درج بالاوضاحت کی روشنی میں ان اصناف کی مثالیں تلاش کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

۱۔ حمد یہ کلامِ ترثیم سے پڑھنے کے مقابلے میں حصہ ہے۔

۲۔ حمد یہ اشعار پر بنی چارٹ بنائیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

۱۔ طلبہ کو اردو شاعری میں حمد نگاری کی تاریخ اور روایت سے آگاہ کریں۔

۲۔ حفیظ تائب کی شاعرانہ خصوصیات اور انفرادیت کے بارے میں بتائیں۔





سید نفیس الحسینی نفیس

(۱۹۳۳ء۔۲۰۰۸ء)

سید انور حسین؛ المعروف بـ سید نفیس الحسن الحسینی نفیس، سید القلم اور نفیس رقم کے نام سے بھی معروف تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں سولہ مرتبہ قرآن پاک کی کتابت کی۔ آپ کی جائے ولادت تحصیل ڈسکرڈ میں موضع گھوڑیالہ ہے اور آپ کا سلسلہ نسب پندرہ واسطوں سے حضرت خواجہ گیسوردار از تک پہنچتا ہے۔ آپ نے اپنے نواحی گاؤں بھوپال والا سے ۱۹۳۶ء میں مڈل، ہٹی مسلم ہائی سکول لائل پور (فیصل آباد) سے ۱۹۴۸ء میں میسرک، گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے ۱۹۵۰ء میں ایف۔ اے اور ۱۹۵۳ء میں اور بیتل کالج لاہور سے منشی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔

سید انور حسین کا گھر ان فن خطاطی کا مرکز تھا اور آپ کو چھوٹی عمری سے خطاطی کا شوق تھا۔ آپ کے والد صاحب جب خطاطی کرتے تو آپ ان کے دائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور انھیں کتابت یا خطاطی کرتے دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ سکول کے ابتدائی دور میں آپ کی لکھائی ہم جماعت طلبہ سے بہت اچھی تھی اور وہ آپ سے اپنی کاپیوں پر اپنا نام لکھواتے تھے۔ اس حوالے سے آپ کا آبائی پیشہ خوش خطی تھا۔

اس ضمن میں آپ نے بذاتہ خط نسخ، خط نستعلیق، خط دیوانی، خط مشکل، خط رقائع اور خط کوفی میں متعدد فن پاروں کے علاوہ کلام اقبال پر نستعلیق جلی میں بڑے دل کش انداز میں خطاطی کے فن پارے تخلیق کیے جو ایوانِ اقبال میں آؤیزاں ہیں۔ آپ کو عجائب گھر لاہور اور خانہ کعبہ کے دروازے پر بھی خطاطی کرنے کا شرف حاصل ہے۔ اسی بنا پر حکومتِ پاکستان کی طرف سے آپ کے فن کے اعتراف میں ۱۹۸۶ء میں پرائیڈ آف پرفارمنس کا اعزاز حاصل ہوا۔

سید نفیس الحسینی نفیس کا میلان طبع اوائل عمری ہی سے شاعری کی طرف تھا۔ اس ضمن میں ان کے تین نعمتیہ شعری مجموعے ”گلہائے نقش“، ”برگ گل“ اور ”نفاکس النبی“، جن کی کتابت بھی آپ نے خود کی تھی، بڑے اہتمام سے شائع ہوئے۔ ان تینوں مجموعوں کا تمام تر کلام عشق و عقیدت کے جذبات سے لبریز ہے۔ ”برگ گل“ میں حمد و نعمت، ساقی کوثر، تجوہ سا کوئی نہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک، یادِ مدینہ، ارمغانِ مدینہ، انوارِ مدینہ، آرزوئے حضرت، صحن حرم، پیام آہی گیا اور میں تو اس قابل نہ تھا، جیسا کلام شامل ہے جو عشق و محبت کے دفور جذبات کا حامل ہے۔



نَعْتٌ

تدریسی مقاصد:

- نَعْت کے لغوی و اصطلاحی معنی سے آگاہ کرتے ہوئے صرف نَعْت کوئی کی روایت اور ارتقا کا جائزہ لینا۔
- طلبہ کو نبی کریم ﷺ کی سیرت اور سنت کے بارے میں بتانا۔
- طلبہ کو نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے کردار کو ڈھانے کی ترغیب دینا۔
- طلبہ کو سید نفیس الحسینی نفیس کے نعمی اسلوب کی امتیازی خصوصیات سے روشناس کرانا۔

اے رسول امیں، خاتم النّبیین، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
 ہے عقیدہ یہ اپنا بہ صدق و یقین، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
 اے برائی و ہاشمی خوش لقب، اے ثُو عالی نسب، اے ثُو والا حسب
 دُودمانِ قریشی کے دُرمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
 بزمِ کونین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
 سید الاولیں، سید الآخرين، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
 بسدرۃ المنتهى رہگزر میں تری، قابِ قوسین گرد سفر میں تری
 ٹو ہے حق کے قریں، حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
 کہکشاں خو ترے سرمهی تاج کی، ڈلفِ تاباں حسین رات معراج کی
 لیلۃ القدر تیری مُنور جیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
 مصطفیٰ مجتبیٰ، تیری مدح و شنا، میرے بس میں نہیں، دسترس میں نہیں
 دل کو ہمت نہیں، لب کو یارا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
 چار یاروں کی شانِ جلی ہے بجلی، ہیں یہ صدیقٰ، فاروقٰ، عثمانٰ، علیٰ
 شاہدِ عدل ہیں یہ ترے جانشیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
 اے سراپا نفیسِ نفسِ دو جہاں، سروبرِ دلبراں دلبراں عاشقان
 ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
 (برگِ گل)



مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

- (الف) رسول امیں خاتم النبیوں ﷺ اور خاتم المرسلین ﷺ کس عظیم ہستی کو کہا جاتا ہے؟
- (ب) بزمِ کونیں کس مقصد کے لیے سجائی گئی؟
- (ج) عرب و عجم کے زیر نگمیں ہونے کا کیا مطلب ہے؟
- (د) شاعر نے رسول پاک ﷺ کے کس سفر کے بارے میں کیا کہا ہے؟
- (و) شاعر نے رسول پاک ﷺ کی مدح و شنا میں کون کون سے الفاظ پہ طور قافیہ استعمال کیے ہیں؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) یہ نعت ہیئت میں لکھی گئی ہے:

- (الف) غزل کی
- (ب) محض کی
- (ج) مُسدس کی
- (د) مثنوی کی

(ii) نعت کے اشعار میں صنعت نمایاں ہے:

- (الف) صنعتِ تضمین
- (ب) صنعتِ مراعاتِ انظیر
- (ج) صنعتِ تکرار
- (د) صنعتِ الف و نثر

(iii) ”سکھ رواں ہونا“، ”اروڑ و قواعد کی رو سے ہے:

- (الف) ضرب المثل
- (ب) روزمرہ
- (ج) محاورہ
- (د) کنایہ

(iv) ”رسول امیں“، ”اروڑ و قواعد کی رو سے ہے:

- (الف) مرکبِ عطفی
- (ب) مرکبِ اضافی
- (ج) مرکبِ توصیفی
- (د) مرکبِ تمام

(v) نعت کے چوتھے شعر میں صنعت استعمال ہوئی ہے:

- (الف) صنعتِ تجنیس
- (ب) صنعتِ تضاد
- (ج) صنعتِ تلمیح
- (د) صنعتِ حسن تعلیل

(vi) یہ نعت شاعر کے مجموعہ شاعری سے لی گئی ہے:

- (الف) ”گہائے نعت“ سے
- (ب) ”صلوٰعیہ و آکہ“ سے
- (ج) ”برگِ گل“ سے
- (د) ”نفاسِ البقی“ سے

۳۔ اس نعت میں استعمال ہونے والی ردیف اور قافیوں کی نشان دہی کریں۔

۴۔ نقیبہ متن کے اہم بیکات کو سمجھتے ہوئے نعت کا خلاصہ تحریر کریں۔

تلمیح: جب کلام میں کسی تاریخی، قرآنی، مذہبی یا کسی سماجی واقعہ کو چند لفظوں میں اشارہ یوں بیان کیا جائے کہ سارا واقعہ تازہ ہو جائے تو اس کو تلمیح کہتے ہیں۔ مثلاً: درج ذیل اشعار میں ابن مریم اور چاہ یوسف کی تلمیحات استعمال ہوئی ہیں:

اہن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی



آ رہی ہے چاہ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

۵۔ زیر مطالعہ نعمت میں استعمال ہونے والی تسلیمات کی نشان وہی کریں اور ان کی وضاحت کریں۔

۶۔ شعری محاسن کی روشنی میں درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

بزم کوئین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سید الاولین، سید الآخرين، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
بدرۃ المحتشم رہگزر میں تری، قاب قوسین گرد سفر میں تری
ٹو ہے حق کے قریں، حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
کہکشاں ضو ترے سرمدی تاج کی، ڈلف تباہ حسیں رات معراج کی
لیلۃ القدر تیری مُنور جبیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
۷۔ سمی و بصری ذرائع سے کسی معروف شاعر کی کوئی نعمت پڑھیں اور اس پر تبصرہ کریں۔

۸۔ درج ذیل نعمت کے اشعار درست تلفظ اور لب و لہجہ کے ساتھ پڑھیں اور ان کے معانی پر غور کرتے ہوئے اپنی زندگی کے لیے رہنمائی حاصل کریں:

تو مقصید تخلیق ہے تو حاصل ایمان
جو تجھ سے گریزان وہ خدا سے ہے گریزان
کروار کا یہ حال صداقت ہی صداقت
اخلاق کا یہ رنگ کہ قرآن ہی قرآن
اشکوں سے ترے، دین کی کھیقی ہوئی سیراب
فاقوں نے ترے، وہر کو بخشنا سر و سامان

(ماہر القادری)

نظم پر لحاظ ہیئت: (غزل، مختصر، مسدس)

غزل: غزل کے تمام اشعار آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ پہلا شعر مطلع ہوتا ہے جس کے دونوں مصروع ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ باقی تمام اشعار کا مصروع ثانی مطلع سے ہم قافیہ ہوتا ہے۔ آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص ہو، مقطع کہلاتا ہے۔ شامل نصاب نعمت غزل کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔

محض: ایک نظم ہوتی ہے جس کے ہر بند میں پانچ مترے ہوتے ہیں۔

مسدس: ایک نظم جس کے ہر بند میں تیجھے مترے ہوتے ہیں۔

علام اقبال کے درج ذیل نعتیہ اشعار مسدس کی بیانات میں ہیں:

ہو نہ یہ پھول تو بلل کا ترجم بھی نہ ہو
چمن دھر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر نے بھی نہ ہو، ثم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، ثم بھی نہ ہو
خیمه افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تمش آمادہ اسی نام سے ہے

(جواب شکوه: بانگ درا)

۹۔ اس نعت میں استعمال ہونے والی مرکب اضافی کی فہرست بنائیں، معانی لکھیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں۔

۱۰۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنے ایک نعتیہ شعر میں کہا ہے:

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوکڑہ و عمر، عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی، کچھ فرق نہیں ان چاروں میں
شاملِ نصاب نعت میں بھی ایک شعر میں یارانِ نبی کی توصیف بیان کی گئی ہے اس کی وضاحت کریں اور چاروں یاروں کی
خصوصی صفات بتائیں۔

۱۱۔ درج ذیل الفاظ کا تلفظ اعرب کے ساتھ واضح کریں:

عقیدہ	لقب	حسب	درشمن	منظر	قوسین	کہکشاں
معراج	ضو	سرمدی	منور	دسترس	جلی	عدل

سرگرمیاں برائے طلبہ:

۱۔ کالج میں اس نعت کو تخت اللطف پڑھنے کے مقابلے میں حصہ لیں۔

۲۔ علام اقبال کے نعتیہ کلام کو ترجمہ سے پڑھنے کے مقابلے کا کلاس میں اہتمام کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

۱۔ طلبہ کو اردو میں نعت گوئی اور نعت خوانی کی روایت کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔

۲۔ طلبہ کو نعت میں مذکور صفات النبی کے ذریعے سے اپنے کردار و عمل اور اخلاق کو سنوارنے کی تلقین کریں۔

۳۔ شاملِ نصاب نعت کی بلند خوانی کریں اور وضاحت طلب پہلوؤں کی وضاحت کریں۔





مولانا شبلي نعماني

(۱۸۵۷ء-۱۹۱۳ء)

اصل نام محمد شبلي تھا مگر شبلي نعماني کے نام سے مشہور ہوئے۔ موضع بندول ضلع عظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ جبیب اللہ وکالت کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی پھر عظم گڑھ، غازی پور، سہارن پور اور لاہور میں تعلیم مکمل کی۔ وکالت کا امتحان بھی پاس کیا لیکن اس پیشے میں ان کا بھی نہ لگا۔ علی گڑھ گئے جہاں سر سید احمد خاں نے انھیں عربی اور فارسی کا استاد مقرر کر دیا وہاں وہ سولہ برس تک پڑھاتے رہے۔ یہاں سے ان کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔ علی گڑھ میں پروفیسر تھامس آرفلڈ سے فرانسیسی سیکھی اور انھیں عربی سکھائی۔ سر سید کی وفات کے بعد علی گڑھ سے حیدر آباد کون چلے گئے جہاں وہ چار سال تک ناظم تعلیمات کے عہدے پر فائز رہے۔ وہاں سے پھر واپس لکھنؤ آگئے اور دارالعلوم ”ندوہ“ سے وابستہ ہوئے۔ آخری دور میں اختلافات کے سبب ندوہ سے بھی علاحدہ ہو گئے اور عظم گڑھ میں ”دارالمحنتین“ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جہاں سے اعلیٰ درجے کی کئی ایک کتابیں شائع کیں۔ اس ادارے سے آج بھی اردو کی اعلیٰ درجے کی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔

شبلي نعماني ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔ مفکر، مؤرخ، ناقد، فقیہ، مصلح، واعظ کے علاوہ شاعر اور صاحب ذوق شخصیت کے مالک تھے۔ اردو ادب میں ان کی کتابوں کا رتبہ بہت بلند ہے۔ ان کی اہم کتابوں میں ”المامون“، ”سیرۃ النعمان“، ”الفاروق“، ”الغزالی“، ”موازنۃ انہیں و دیہر“، اور ”شعر الجم“، نمایاں ہیں۔ زندگی کے آخری دور میں ان کی تمام تر توجہ ”سیرت النبی“ پر مرکوز رہی جو کہ اردو سیرت نگاری میں ان کا اہم کارنامہ ہے۔ یہ کتاب انہوں نے اپنی عمر کے آخری حصے میں لکھنا شروع کی تھی مگر وہ اس کی دو جلدیں ہی مکمل کر پائے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور باقی ماندہ جلدیں انھیں کے فراہم کردہ مواد سے ان کے شاگرد خاص سید سلیمان ندوی نے مکمل کیں۔ زیرِ نظر اقتباس اسی کتاب (جلد دوم) سے لیا گیا ہے۔

شبلي کا اندماز تحریر شگفتہ، رواں اور مدلل ہے۔ ان کی تحریروں میں ادبی شوختی و حسن بھی ہے اور فکر کی گہرائی بھی۔ ان کے ہاں فارسی و عربی کے الفاظ اور تراکیب کثرت سے استعمال ہوتی ہیں مگر جو سادہ، عام فہم اور شستہ ہوتی ہیں اور عبارت کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔



اخلاقِ نبویؐ

تدریسی مقاصد:

- طلب کو مولانا شبلی نعماںؒ کی سیرت نگاری، اسلامی تاریخ اور ثقافت کے اہم پہلوؤں سے روشناس کرنا۔
- طلب کو تاریخی تحقیق کے اصول اور طریقہ ہائے کارکے بارے میں آگاہ کرنا۔
- طلب کی اخلاقی تربیت کرنا اور ان کے مذہبی، وینی شعور میں اضافہ کرنا۔

مداومتِ عمل:

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائے۔ انسان کے سواتمام دنیا کی مخلوق صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہے اور وہ فطرت اس پر مجبور ہے۔ اخلاق کا ایک واقعیت کتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاقی حصہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی اس شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائیٰ اور غیر متبائل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ گویا اس سے یہ افعال اس طرح مدار ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل، پھول سے خوشبو، کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں۔ اس کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ علت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے۔ سنت و فعل ہے، جس پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا۔ اس بنا پر جس قدر سنن ہیں وہ درحقیقت آپ ﷺ کی استقامتِ حال اور مداومتِ عمل کی ناقابل انکار مثالیں ہیں۔

حسن خلق:

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافی فرماتے، کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے، جب تک وہ خود منہنہ ہٹائے۔ مصافی میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ ﷺ کے زانوں کی ہم نشینیوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ اکثر نوکر چاکر، غلام، خدمت اقدس میں پانی لے کر آتے کہ آپ ﷺ کی انکار نہیں اس میں ہاتھ ڈال دیں تاکہ متبرک ہو جائے۔ جائزوں کے دن اور صبح کا وقت ہوتا تاہم آپ ﷺ کی بھی انکار نہ فرماتے۔

مجالسِ صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے۔ کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے

سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ انٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہ دینا کہ یہ رنگ دھوڈالیں۔

مسجدِ نبوی میں جگہ بہت کم ہوتی تھی، جو لوگ پہلے سے آ کر بیٹھ جاتے تھے، ان کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اس کے لیے آپ ﷺ خود اپنی ردائے مبارک بچجادیتے تھے۔ کسی کی بات بڑی معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ صیغہ تعییم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں، لوگ ایسا کہتے ہیں، بعض لوگوں کی یہ عادت ہے۔ یہ طریقہ ابہام اس لیے فرماتے تھے کہ شخصِ مخصوص کی ذات نہ ہو اور اس کے احساسِ غیرت میں کمی نہ آئے۔

ایثار:

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا، وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی اور ان میں حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدر عزیز تھیں کہ جب آئیں، فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تاہم حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادم نہ تھی، خود چکلی پیتیں اور خود ہی پانی کی مشکل بھر لاتیں۔ چکلی پیتے پیتے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں۔ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، خود تو پاسِ حیا سے عرضِ حال نہ کر سکیں، جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابھی اصحابِ صفة کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو لے یعنی اور طرف توجہ نہیں کر سکتا۔

تواضع:

گھر کا کام کا جن خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دو دھو دو دھو لیتے، بازار سے سو دالاتے، بھوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، گدھے کی سواری سے آپ ﷺ کو عارنہ تھی، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پر بیز نہ تھا۔ ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے؛ لوگ تعظیم کو انٹھ کھڑے ہوئے، فرمایا کہ اہلِ عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ انٹھو۔ غریب سے غریب یہاں رہتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ مغلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے۔ صحابہؓ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ ﷺ کو پیچا نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھے جاتے۔ ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوت کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھبراو نہیں، میں فرشتہ نہیں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔

بچوں پر شفقت:

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری

پر آگے پیچھے بحثاتے۔ راستے میں بچے ملتے تو ان کو خود سلام کرتے۔

ایک دن حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عن خدمتِ اقدس میں آئے۔ ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا گرتا بدنا پر تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا، سَنَةَ سَنَةٍ۔ جب شی زبان میں حسنہ کو سے کہتے ہیں۔ چوں کہ ان کی پیدائش جب ش میں ہوئی تھی اس لیے

آپ ﷺ نے اس مناسبت سے جب ش تلفظ میں حسنہ کے بجائے سَنَةَ کہا۔

یہ محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محمد و دنہ تھی بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غزوہ

میں چند بچے جھپٹ میں آ کر مارے گئے۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے۔ ایک صاحب نے کہا:

”یا رسول اللہ ﷺ! وہ مشرکین کے بچے تھے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر

ہیں، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔“

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت

فرماتے۔ بچوں کو چومنتے اور ان کو پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوسی آیا،

اس نے کہا: ”آپ لوگ بچوں کو پیار کرتے ہیں، میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اگر تم حمارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں؟“

لطفِ طبع:

کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا تو فرمایا: ”اوْ دُوْكَانَ وَالْـ۔“ اس میں ایک نکتہ یہ بھی تھا

کہ حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت اطاعتِ شعار تھے اور ہر وقت آپ ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔

حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی کا نام ابو عمر تھا، وہ کم سن تھے اور ایک مولا پال رکھا تھا کہ اتفاق سے وہ مر گیا۔ ابو عمر کو بہت رنج

ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کو غم زدہ دیکھا تو فرمایا: ”ابو عمر! تم حمارے مولے نے یہ کیا کیا؟“

ایک شخص نے عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو۔ ارشاد ہوا کہ میں تم کو اونٹی کا بچہ دوں گا۔ انہوں نے کہا: ”یا رسول

اللہ تعالیٰ کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اوٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹی کا بچہ نہ ہو؟

ایک بڑھا خدمتِ اقدس میں آئی کہ حضور ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھے بہشتِ نصیب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں بہشت میں نہیں جائیں گی۔ اس کو بہت صدمہ ہوا اور روئی ہوئی واپس چل گئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ

کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ اسے کہ دو کہ بوڑھی عورتیں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔

ایک بدوسی صحابی تھے جن کا نام زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ وہ دیہات کی چیزیں آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے

تھے۔ ایک دفعہ وہ شہر میں آئے۔ گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے۔ اتفاقاً آپ ﷺ اور سے گزرے۔ حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے جا کر ان کو گود میں دبایا۔ انہوں نے کہا: ”کون ہے؟ چھوڑ دو۔“ مزکر دیکھا تو

سرور عالم خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ نے فرمایا: ”کوئی اس غلام کو خریدتا ہے؟“ بولے: ”یار رسول اللہ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدے گا نقصان اٹھائے گا۔“ آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ نے فرمایا: ”لیکن خدا کے نزدیک تمہارے دام زیادہ ہیں۔“

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں گرانی ہے۔ فرمایا: ”شہد پلاو۔“ وہ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے۔ آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی۔ سے بارہ آئے، پھر وہی جواب ملا۔ چوتھی بار آئے تو فرمایا: ”خد اسچا ہے، شہد میں شفا ہے لیکن تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا کر شہد پلاو۔“ اب کی بار پلایا تو شفا ہو گئی۔ معدہ میں مادہ فاسد کثرت سے موجود تھا جب پورا انتخیب ہو گیا تو گرانی جاتی رہی۔

اولاد سے محبت:

اولاد سے نہایت محبت تھی۔ معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہوتیں۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں گئے۔ اسی اثنامیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دونوں صاحبزادوں (حسین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے لیے چاندی کے لگن بنوانے اور دروازے پر پروے لٹکائے۔ آنحضرت خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ واپس تشریف لائے تو خلاف معمول حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر نہیں گئے۔ وہ سمجھ گئیں، فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے لگن آتار لیے۔ صاحبزادے روتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ نے لگن لے کر بازار میں بھیج دیے کہ ان کے بد لے ہاتھی دانت کے لگن لا دو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی کو چوتے اور اپنی لشت گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ حسین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بے انتہا محبت تھی، فرماتے تھے کہ یہ میرے گل دستے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا۔ وہ صاحبزادوں کو لاتیں، آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ ان کو چوتے اور سینہ سے لپٹاتے۔ ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرمائے تھے۔ اتفاق سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرخ کپڑے پہنے ہوئے آئے، کم سنی کی وجہ سے ہر قدم پر لڑکھراتے جاتے تھے۔ آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ ضبط نہ کر سکے۔ منبر سے اتر کر گود میں اٹھا لیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر فرمایا: ”خدا نے کچ کہا ہے: إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔“ فرمایا کرتے تھے: حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ خدا اس سے محبت رکھے جو حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھتا ہے۔ ایک دفعہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو شی مبارک پر سوار تھے۔ کسی نے کہا: ”کیا سواری ہاتھ آئی ہے؟“ آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ نے فرمایا: ”سوار بھی کیا ہے؟“

ایک دفعہ آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ کمیں دعوت میں جا رہے تھے، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ را میں کھل رہے تھے۔ آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلائے۔ وہ ہنستے ہوئے پاس آ کر نکل جاتے تھے۔ بالآخر آپ خاتم الائمة صلی اللہ علیہ وسَّلَتْ نے ان کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینے سے لپٹالیا پھر فرمایا: ”حسین میرا ہے، میں اس کا ہوں۔“ اکثر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں لیتے اور فرماتے

کے خدا یا! میں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے۔

آپ ﷺ کے داماد، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکتے تو گھر کہلا بھیجا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا۔ یہ وہ ہمار تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جہیز میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو دیا تھا۔ آخر حضرت ﷺ نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ اگر تم حماری مرضی ہو تو ہار زینبؓ کو بھیج دوں۔ سب نے بسر و چشم منظور کیا۔

آپ ﷺ کی ایک نواحی حالتِ نزع میں تھیں، صاحبزادی نے بلا بھیجا۔ آپ ﷺ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لڑکی اسی حالت میں آغوش مبارک میں رکھ دی گئی۔ آپ ﷺ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔“ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر بھی آپ ﷺ نے فرمایا: ”آنکھیں آنسو بھارتی ہیں، ول غم زدہ ہو رہا ہے، لیکن منھ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے۔“

(سیرت النبی جلد دوم)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) مداومتِ عمل سے کیا مراد ہے؟

(ب) شریعتِ اسلام میں ست کا الفاظ کس اصول سے پیدا ہوا ہے؟

(ج) ایثار کے کہتے ہیں؟

(د) ”غسرت اور تنگ وستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمنہ تھی، خود چکی پیتیں، خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ چکی پیتے پیتے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں۔“ یہ احوال کس سستی کے ہیں اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کس نے پیش کیا؟

(ه) ”یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ کس موقع پر ارشاد فرمائے؟

۲۔ درست جواب کی نشان وہی کریں:

(i) سبق ”اخلاقِ نبوی“ سیرت النبی کی جلد سے مانوذہ ہے:

(الف) جلد اول سے (ب) جلد دوم سے (ج) جلد سوم سے (د) جلد چہارم سے

(ii) اگر انسان کوئی کام اختیار کرے اور اس پر استقلال کے ساتھ قائم رہے، اسے کہتے ہیں:

- (الف) عادت (ب) جبلت (ج) فطرت (د) نظرتِ ثانیہ

(iii) معمول کے مطابق آپ ﷺ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے:

- (الف) بچوں کو (ب) نوجوانوں کو (ج) جوانوں کو (د) بزرگوں کو

(iv) ”لیکن خدا کے نزدیک تمہارے دام زیادہ ہیں۔“ آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

- (الف) جناب امیرِ رحیم اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے (ب) حضرت اُس رحیم اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے

- (ج) حضرت زاہر رحیم اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے (د) حضرت بلال رحیم اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے

(v) آپ ﷺ نے کنگن لے کر بازار میں بیچ دیے کہ ان کے بد لے کنگن لا دو:

- (الف) کانسی کے (ب) سونے کے (ج) چاندی کے (د) ہاتھی دانت کے

۳۔ سبق کے متن کو مدد نظر رکھتے ہوئے درست الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کر کے اقتباس کامل کریں:

اخلاق کا ایک واقعیت یہ ہے کہ انسان اپنے لیے ... حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی اس شدت سے ... کرے اور اس طرح داعمی اور غیر ... طریق سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر ... ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات ... ہو ہی نہیں سکتی۔ گویا اس سے یہ افعال اس طرح ... ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے ...، درخت سے ...، پھول سے ... کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں۔ اس کا نام استقامت ... اور نداومت ... ہے۔

۴۔ ”اخلاق نبوی“ کے کسی ایک پہلو پر گفت گو کریں۔

۵۔ سبق ”اخلاق نبوی“ کو مدد نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی بچوں اور اولاد سے محبت کے بارے میں آپس میں بات چیت کرنے کے بعد بتائیں کہ کیا موجودہ دور میں ہمارے اروگردائی مثالیں موجود ہیں؟

۶۔ نیچے دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھئے گئے سوالات کے جوابات دیں اور عبارت کا مناسب عنوان لکھیں:

کسی منفی رجمان کے نتیجے میں اپنے سخت رد عمل پر قابو پالیں، برداشت ہے اور رد عمل کے طور پر منفی رویت کے بجائے ثابت حسن سلوک کو روکھنا، رواداری کھلااتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اس وقت جن منفی رجمانات سے دوچار ہے، ان میں عدم برداشت، سرفہرست ہے۔ جس کے باعث ہمارے اندر رواداری کا وصف ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں روزانہ ایسے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو چھوٹی چھوٹی اور انتہائی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں ہو رہے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر ہم لوگ تھوڑی دیر کے لیے صبر و تحمل، برداشت اور حوصلے سے کام لیں تو، بہت بڑے مالی و جانی نقصان سے بچ سکتے ہیں۔ برداشت کا وصف لوگوں میں اس وقت پیدا ہو گا جب وہ رواداری اور حسن سلوک کو اپنا شعار بنائیں گے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

آپ ﷺ نے ہمیشہ برداشت اور رواداری سے کام لیتے ہوئے ہمارے لیے ایسی بے شمار زندہ مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنی رہیں گی۔ کفارِ مکہ کی طرف سے آپ ﷺ کے راستے میں کا نئے بچائے گئے، آپ ﷺ پر پتھر بر سائے گئے، طرح طرح کی اذیتوں سے دو چار کیا گیا مگر آپ ﷺ نے ہمیشہ برداشت اور تحمل سے کام لیا بلکہ فتح مکہ کے موقع پر تمام دشمنانِ اسلام کو معاف فرمادیا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی اپنی معاشرتی روایات کو حوصلہ مندی اور صبر و برداشت کے اصولوں پر قائم رکھنے کا عزم کرنا چاہیے، تاکہ تم آپس میں باہمی اخلاص اور مثالی بھائی چارے کو فروغ دے سکیں۔

سوالات:

- منفی رجحان سے کیا مراد ہے؟
- کفارِ مکہ آپ ﷺ سے کیا سلوک کرتے تھے؟ وہ کیا ہیں جو رہتی دنیا تک رشد و ہدایت کا ذریعہ بنی رہیں گی؟
- فتح مکہ کے موقع پر آپ نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔ فعل کی اقسام (بلحاظ معنی)

فعل لازم: جب کسی جملے میں استعمال ہونے والے فعل کے ساتھ صرف فاعل آئے اور جملے کا مفہوم سمجھ میں آجائے تو وہ فعل، فعل لازم کہلاتا ہے۔ مثلاً:

اکبر آیا۔ وہ لکھتا ہے۔

فعل متعدد: جب کسی جملے میں فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول لگا کر مفہوم واضح کیا جائے تو استعمال ہونے والا فعل، فعل متعدد کہلاتے گا۔ مثلاً:

اسلم کتاب پڑھ رہا ہے۔ بُلی نے چوہے کو پکڑ لیا۔

لے۔ فعل کی پیچان کر کے ان کے سامنے فعل لازم یا فعل متعدد لکھیں:

	میں نے کتاب پڑھی۔	وہ مدرسے گیا۔
	تم نے پانی پیا۔	ہم نے کھانا کھایا۔
	نادیا بھی ابھی آئی ہے۔	وہ دیر سے جا گا۔
	قصاب نے بکرا خریدا۔	امجد نے خط لکھا۔

سیاق و سبق:

سیاق کے لغوی معنی ہیں موقع محل، ربط، سلسلہ جب کہ سبق کا معنی ہے، اجزائے عبارت کی معنوی و باہمی میں مطابق۔ سیاق و سبق کا مطلب ہے سلسلہ کلام، آگے پیچھے کی عبارت یا کلام جس سے مفہوم متعین ہو۔ گویا کہ جس کسی موضوع، واقعہ یا سوال کے بارے میں آپ

سے پوچھا جائے تو آپ اُس موضوع، واقعہ یا سوال کے جواب کو اس ترتیب سے پیش کریں کہ اُس واقعہ، موضوع یا سوال کے جواب کا مطلب پوری طرح سمجھا جائے۔

حوالہ متن: حوالہ متن سے مراد ہے کسی دیے ہوئے اقتباس، عبارت یا تحریری مواد کے حوالہ جات بیان کرنا۔ عام طور پر سبق کا عنوان، مأخذ اور مصنف کا نام درج کرنا حوالہ متن کہلاتا ہے۔ مثلاً سیاق و سباق کے حوالے سے ایک اقتباس کی تشریح ملاحظہ کریں:

اقتباس:

”مجالسِ صحبت میں لوگوں کی ناگوارباتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے۔ کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہ دینا کہ یہ رنگ دھوڈالیں۔“

سبق کا عنوان: اخلاقِ نبوی
مصنف کا نام: مولانا شبلی نعمانی

سیاق و سباق کا حوالہ: مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔ ۱۹۱۳ء) ایک بلند پایہ ادیب تھے۔ ان کی ایک اہم تصنیف چھے جلدیں پر بنی ”سیرت النبی“ ہے اور شامل نصاب سبق ”اخلاقِ نبوی“، جلد دوم سے مستعار ہے۔ جیسا کہ سبق کے عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ سبق میں فاضل مصنف نے رسول اکرم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کے فقط چند پہلوؤں: مداومتِ عمل، حسنِ خلق، ایثار، تواضع، بچوں پر شفقت، لطفِ طبع اور اولاد سے محبت کا بیان کیا ہے تاکہ لوگ ان باتوں کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔ کیوں کہ آپ ﷺ کا اخلاق تمام انسانوں کے لیے رہتی دنیا تک ایک کامل نمونہ ہے۔

زیرِ تشریح اقتباس سبق کے ابتدائی حصے سے لیا گیا ہے۔ اس اقتباس سے قبل اخلاقِ عالیہ کے حوالے سے ”مداومتِ عمل“ کا بیان ہے اور اس کے بعد آپ ﷺ کے ”ایثار“ کا بیان ہے اور زیرِ تشریح اقتباس ”حسنِ خلق“ کے بیان کے طور پر آیا ہے۔ زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے حضور رسالت مآب ﷺ کے معمولات کے حوالے سے اس بات کا تذکرہ ہے کہ آپ ﷺ کے کان میں کوئی بات کہتا تو آپ ﷺ کے کان میں کوئی بات نہیں رہتی۔ اس وقت ہمیشہ خود سلام اور مصافحہ فرماتے اور اگر کوئی شخص مجھ کر آپ ﷺ کے کان میں کوئی بات کہتا تو آپ ﷺ کے کان میں کوئی بات نہیں رہتی۔ اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹاتا اور اس اقتباس کے بعد آپ ﷺ کے ”حسنِ خلق“، ہی کے حوالے سے اس بات کا بیان ہے کہ مسجدِ نبوی میں جگہ کم ہوتی تھی جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے، ان کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی۔ ایسے موقع پر کوئی آ جاتا تو آپ ﷺ اس کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک فرش پر بچھا دیتے تھے۔

اقتباس کی تشریح: مولانا شبلی نعمانی، اخلاقِ نبوی، حاشیہ متن ﷺ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مجالس میں طرح طرح کے لوگ آتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اور بعض لوگ ایسی باتیں بھی کہ جاتے تھے جن کو عام طور پر بھری مجالس میں نہیں کہا جاتا مگر آپ ﷺ کی برداشت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کو لوگوں کی ناگوارباتوں کو بھی گوارا

فرماتے اور کسی کو بھی ڈاٹ ڈپٹ نہیں کرتے تھے۔ یعنی آپ کی ذاتِ اقدس میں برداشت کا مادہ بہت تھا۔

مصطفیٰ (مولانا شبلی نعmani) آپ ﷺ کی قوتِ برداشت کے حوالے سے ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ یوں ہوا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام خلیلِ عینہ کی مجلس میں تشریف فرماتے کہ ایک صاحبِ مسجدِ نبویؐ میں اس حال میں آگئے کہ انھوں نے زعفران سے اپنے کپڑوں کو رنگا ہوا تھا۔ دراصل عربوں میں جو لوگ امیر ہوتے وہ اپنے کپڑوں کو زعفران سے رنگ لیتے تھے تاکہ ان کے کپڑوں سے زعفران کی خوشبو آئے اور لوگوں پر اس کا خوش گوارا ہز پڑے۔ آپ ﷺ نے اس شخص کو دیکھا تو اگرچہ یہ بات آپ ﷺ کے مزاج پر گراں گزری مگر لپنی زبان سے انھیں اس لیے نہ ٹوکا کہ اس آدمی کی عزتِ نفس مجرور نہ ہو جائے کیوں کہ آپ ﷺ کے کسی غلط بات پر ٹوکنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ اس سے اجتناب کریں۔ جب وہ شخص اٹھ کے چلا گیا تو آپ ﷺ نے اس کی عدم موجودگی میں صحابہ کرام خلیلِ عینہ کو ارشاد فرمایا کہ ان سے کہ دیں کہ زعفرانی رنگ مردوں کے مناسب حال نہیں ہے اور یہ رنگ دھوڈالیں۔

драصل آپ ﷺ کے اس شخص کی عدم موجودگی میں کہنے کا مفہوم یہ تھا کہ لوگ کہیں اس سے نفرت نہ کرنے لگیں اور اس شخص کی عزتِ نفس بھی مجرور نہ ہو۔

۸۔ سیاق و سبق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں:

(الف) ”معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت.....، تاہم آپ ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے۔“

(ب) ”ایک شخص نے آکر شکایت کی تو گرانی جاتی رہی۔“

۹۔ ”ہماری زندگی میں ”صبر و تحمل کی اہمیت“ کے موضوع پر ایک پیرا گراف تحریر کریں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

۱۱۔ محلے یا اسکول کی لاابریری سے سیرت مبارکہ سے متعلق کوئی کتاب حاصل کریں اور آپ ﷺ کی سیرت سے رواداری اور برداشت سے متعلق واقعات پڑھ کر ساتھیوں کو سنائیں۔

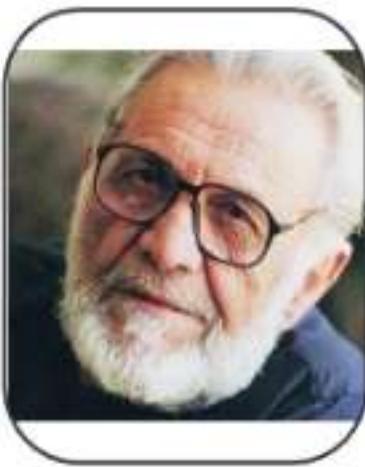
ہدایات برائے اساتذہ:

- طلبہ کو تقریر کرنے کے انداز اور اب و بھے سے آگاہ کریں۔

- تفہیم عبارت کے ضمن میں طلبہ کو مطلوبہ عبارت کا مفہوم سمجھائیں اور انھیں تاکید کریں کہ جتنا سوال ہو، اسی قدر جواب دیں۔

- سیاق و سبق کے حوالے سے پیرا گراف کی تشریح کرنے کا انداز تختہ تحریر کی مدد سے سمجھائیں۔





اشفاق احمد

(۱۹۲۵ء۔۲۰۰۳ء)

اشفاق احمد خاں؛ المعروف بـ تلقین شاہ ہو شیار پور (مشرقی پنجاب، انڈیا) کے ایک چھوٹے سے گاؤں خان پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد خاں ہے جو محلہ لا یوسٹاک میں ڈاکٹر تھے۔ میٹرک فیروز پور کے نواحی قبیلے مکستر اور ایف۔ اے، بی۔ اے کے امتحانات فیروز پور سے پاس کیے۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان آگیا تو آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے اردو کیا۔

اشفاق احمد بحیثیت پروفیسر، دیال ٹکنالوجی کالج لاہور، روم یونیورسٹی اٹلی اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں انہوں نے بحیثیت ڈائریکٹر مرکزی اردو بورڈ میں فرانسیسی منصبی سنہjal لیے اور ادارے کو ترقی کی راہ پر گام زن کر دیا۔ اس طرح انہوں نے علمی و ادبی سطح پر بھرپور زندگی بسر کی۔

اشفاق احمد؛ بیسویں صدی کے ادبی افق پر افسانہ نگار، ڈراما نویس، سفر نامہ نگار، نقاد، فیچر نگار، مترجم، محقق، شاعر، فلسفی اور دانشور کی حیثیت سے ابھرے۔ وہ بنیادی طور پر قصہ گو ادیب اور کہانی نویس تھے۔ ان کی مختلف النوع تخلیقی جہات میں کہانی کی مختلف اشکال ظہور پذیر ہو گئیں۔ ان کی قصہ گوئی اور جادو بیانی کا مظہر ان کا مقبول ٹیلی و ٹرن پروگرام ”زاویہ“ تھا جس میں وہ بصیرت افروز گفت گو کرتے اور نوجوانوں کی فکری راہنمائی کا فرض نجاتے۔ انہوں نے پچاس کے قریب کتابیں تصنیف کیں جو ان کے سلسلہ، رواں اور بے تکلف انداز بیان کی عکاس ہیں۔ ان کا لب و لہجہ منفرد اور شیرینی گفتار سے بھر پور ہے۔ انھیں حکومت پاکستان کی جانب سے ”تمغا برائے حسن کارکردگی“، ”ستارۂ امتیاز“ اور ”ہلال امتیاز“ کے قومی اعزازات سے نواز اگیا۔

تصانیف:

اشفاق احمد کی معروف تصانیف میں ”ایک محبت سوافانے“، ”سفر بینا“، ”جلے پھول“، ”من چلے کا سودا“، ”حیرت کدہ“، ”نگے پاؤں“، ”تلقین شاہ“، ”ناہلی تھلے“، ”اپے برج لاہور دے“، ”توتا کہانی“، ”زاویہ“ (ٹیلی و ٹرن سیریز)، ”کھٹیا وٹیا“، اور ”سفر در سفر“، وغيرہ شامل ہیں۔



ایک اُستادِ عدالت کے کٹھرے میں

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو پاکستانی اور عالمی ثقافت سے متعارف کرنا۔
- طلبہ کی اخلاقی تربیت کرنا۔
- طلبہ کو اشراق احمد اور ان جیسے مشاہیر کی زندگی کے تجربات سے سبق حاصل کرنے کی تربیت کرنا۔
- طلبہ میں اردو ادب کے مختلف اور منفرد اسالیب بیان سے مختلط ہونے کی صلاحیت پیدا کرنا۔
- تنشابہ الفاظ کی شناخت کرنا اور محاوروں سے جملے بنانا۔
- طلبہ کو تحریک دینا کہ وہ بھی اپنی تجھیقات پیش کریں۔

جس زمانے میں میں روم میں پیغمبر رتحا، روم یو نیورسٹی میں، میں سب سے Youngest پروفیسر تھا۔ یو نیورسٹیوں میں چھٹیاں تھیں، گرمیوں کا زمانہ تھا۔ دو پھر کے وقت ریڈ یو شیشن پر مجھے اردو براؤ کائنگ کرنی پڑتی تھی۔ روم میں دو پھر کے وقت سب لوگ قیلولہ کرتے تھے۔ چار بجے تک سوتے تھے اور روم کی سڑکیں تقریباً خالی ہوتی تھیں اور کار پوریشن نے یہ انتظام کر کھا تھا کہ وہ وہاں پر پانی کے حوض لگا کر سڑکیں دھوتے ہیں، اور شام تک سڑکیں سخنڈی بھی ہو جاتی ہیں، خوش گوار بھی ہو جاتی ہیں، صاف بھی ہو جاتی ہیں؛ تو وہ سڑکوں کو دھو رہے تھے۔ اکاؤنٹاکوئی ٹریفک کی سواری آ جا رہی تھی تو میں اپنی گاڑی چلاتا ہوا جا رہا تھا۔ اب دیکھیے انسان کے ساتھ ساتھ ایک دیسی مزاج چلتا ہے، آدمی کہیں بھی چلا جائے تو میں گاڑی چلا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ گول دائرہ ہے، اس کے اوپر سے میں چکر کاٹ کے آؤں گا۔ پھر میں اپنے گھر کی طرف مڑوں گا تو یہ بڑی بے ہودہ بات ہے۔ نیچے میں سے چلتے ہیں۔ اس وقت کون دیکھتا ہے، دو پھر کا وقت ہے، تو میں نیچے میں سے گزرنا۔ وہاں ایک سپاہی کھڑا تھا، اس نے مجھے دیکھا، اور اس نے پروانیں کی۔ جانے دیا کہ یہ جا رہا ہے۔ جب میں نے دیکھا شیشے میں سے گردان گھما کے، کچھ مجھے تھوڑا سا یاد پڑتا ہے کہ میں طنز اسکرا ایا۔ کچھ اپنی فیٹ (Fate) کے اوپر، کچھ اپنی کامیابی کے اوپر۔ میں نے خوشی منانے کے لیے ایک مسکراہٹ کا پھول اس کی طرف پھینکا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس نے میری یہ عزت کی ہے تو اس نے سیٹی بجا کے روک لیا۔ اب وہاں پر سیٹی بجنا موت کے برابر تھا اور رکنا بھی تھا۔ میں رکا، وہ آگیا، اور آ کے کھڑا ہو گیا۔ پہلے سلیوٹ کیا۔ ولايت میں روانج ہے کہ جب بھی آپ کا چالان کرتے ہیں، آپ کو کپڑا ہوتا ہے تو سب سے پہلے آکر سلیوٹ مارتے ہیں۔ تو اس نے کھڑے ہو کر سلیوٹ مارا۔ اب میں اندر تھر تھر کا نپ رہا ہوں۔ شیشہ میں نے نیچے کیا تو مجھے کہنے لگا کہ آپ کا لائسنس! تو میں نے اس سے کہا میں زبان نہیں جانتا۔ اس نے کہا، چنگی بھلی بول رہے ہو۔ میں نے کہا، میں نہیں جانتا تم ایسے ہی جھوٹ بول رہے ہو۔ میں تو نہیں جانتا ہوں۔ اس نے کہا نہیں، آپ اپنا لائسنس دیں۔ تو میں نے کہا، فرض کریں جس کے پاس اس کا لائسنس نہ ہو تو پھر وہ کیا کرے؟ اس نے کہا، کوئی بات نہیں! میں آپ کا چالان کر

دیتا ہوں، پر پچھاڑ کے تو یہ آپ لے جائیں اور جرمانہ جمع کروادیں۔ میں تو ایسے ہی باتک رہا تھا۔ میں نے کہا، مجھ سے غلطی ہوئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا غلطی ہوئی تھی تو چلے جاتے۔ اس نے بغیر مجھ سے پوچھتے کاپی نکالی اور چالان کر دیا۔ اور چالان بھی براست، بارہ آنے جرمانہ۔ میں نے لے لی پرچھی۔ میں نے کہا، میں اس کو لے کر کیا کروں؟ اس نے کہا اپنے کسی بھی قریبی ڈاک خانے میں منی آرڈر کی کھڑکی پر جمع کروادیں۔ بس وہاں کچھری نہیں جانا پڑتا، دھکنے میں کھانے پڑتے۔ بس آپ کا جرمانہ ہو گیا، آپ ڈاک خانے میں دیں گے تو بس۔ میں جب چالان کرواد کے گھر آگیا تو میں نے اپنی لینڈ لیڈی سے کہا، میرا چالان ہو گیا ہے۔ کہنے لگی، آپ کا؟ میں نے کہا، میں کیا کروں۔ اب ان کو ایسے لگا کہ ہمارے گھر میں جیسے ایک بڑا مجرم رہتا ہے۔ اور اس نے اپنی بیٹی کو بتایا کہ پروفیسر کا چالان ہو گیا ہے۔ بُدھی ماں تھی۔ ان کی ایک ساس تھی، اس کو بھی بتایا، سارے روئے ہوئے میرے پاس آگئے۔ میں بڑا ڈر اکہ یا اللہ ای کیا۔ کہنے لگے تو شریف آدمی لگتا تھا۔ اچھے خاندان کا، اچھے گھر کا لگتا تھا۔ ہم نے تجھے یہ کرانے پر کمرہ بھی دیا ہوا ہے لیکن ٹوویں نہیں نکلا۔ خیر! گھر خالی کرنے کو تو نہیں کہا۔ جو بُدھی ماں تھی، ان کی ساس، اس نے کہا، ہو تو گیا ہے بخوردار چالان، لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا۔ محلے داری کا معاملہ ہے۔ اگر ان کو پتا چل گیا کہ اس کا چالان ہو گیا ہے تو بڑی رسماں ہو گی۔ لوگوں کو پتا چلے گا۔ میں نے کہا نہیں، میں پتا نہیں لگنے دوں گا۔

میری لاابالی طبیعت، چھیس سال کی عمر تھی۔ چالان جیب میں ڈالا اور نکل گیا دوستوں سے ملنے۔ اگلے دن مجھے جمع کروانا تھا، بھول گیا۔ پھر سارا دن گزر گیا۔ اس سے اگلے دن مجھے اصولاً جمع کروادیا چاہیے تھا تو میں نے کپڑے بدلتے تو وہ پرانے کوٹ میں رہ گیا۔

شام کے وقت مجھے ایک تار ملا کہ محترمی جناب پروفیسر صاحب! فلاں مقام پر فلاں چورا ہے پر آپ کا چالان کر دیا گیا تھا، فلاں سپاہی نے۔ یہ نمبر ہے آپ کے چالان کا۔ آپ نے ابھی تک کہیں بھی چالان کے پیسے جمع نہیں کروائے۔ یہ بڑی حکم عدالتی ہے۔ مہربانی فرما کر اسے جمع کروادیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ تقریباً ایکس روپے کا تار تھا۔ میں نے سارے لفظ گئے۔ مجھ سے یہ کوتا ہی ہوئی کہ میں پھر بھول گیا، اور ان کا پھر ایک اور تار آیا۔ اگر آپ اب بھی رقم جمع نہیں کروائیں گے تو پھر ہمیں افسوس ہے کہ کوٹ میں پیش کردیا پڑے گا۔ مجھ سے کوتا ہی ہوئی نہیں جاسکا۔ تب مجھے کوٹ سے ایک سمن آگیا کہ فلاں تارخ کو عدالت میں پیش ہو جائیں، اور یہ جو آپ نے حکم عدالتی کی ہے، قانون توڑا ہے، اس کے بارے میں آپ سے پورا انصاف کیا جائے گا۔

اب میں ڈرا۔ میری سئی گم ہوئی۔ پریشان ہوا کہ اب میں دیا رغیر میں ہوں۔ کوئی میرا حامی و ناصر، مددگار نہیں ہے۔ میں کس کو اپنا والی بناؤں گا۔ میرا ڈاکٹر تھا۔ ”ڈاکٹر بالدی“، اس کا نام تھا، تو جوان تھا۔ میں نے اس سے کہا، مجھے وکیل کرو۔ اس نے کہا، میرا ایک دوست ہے۔ اس کے پاس چلتے ہیں۔ اس کے پاس گئے۔ اس نے کہا، یہ تھوڑا سا پیچیدہ ہو جائے گا، اگر میں گیا عدالت میں۔ بہتر یہی ہے پروفیسر صاحب جائیں، اور جا کر خود Face کریں۔ عدالت کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ میں چوں کہ اس قانون کو تحریک طرح سے نہیں جانتا تھا۔ میں یہاں پر ایک غیر ملکی ہوں تو مجھے معافی دی جائے۔ میں ایسا آئندہ نہیں کروں گا۔ میں نے کہا تھیک ہے۔ چنانچہ میں ڈرتاڈ رتتا چلا گیا۔

اگر آپ کو روم جانے کا اتفاق ہو تو ”پالاس آف دی جسٹی“ Palace of Justice وہ روم زمانے کا بہت بڑا وسیع و عریض ہے، اسے تلاش کرتے کرتے ہم اپنے نجح صاحب کے کمرے میں پہنچتے تو وہ وہاں تشریف فرماتھے۔ مجھے ترتیب کے ساتھ بلا یا گیا تو میں چلا گیا۔ اب

بالکل میرے بدن میں روح نہیں ہے، اور میں خوف زدہ ہوں، اور کانپنے کی بھی مجھ میں جرأت نہیں۔ اس لیے کتنے جیسی کیفیت ہو گئی تھی۔ انھوں نے حکم دیا، آپ کھڑے ہوں اس کٹھرے کے اندر۔ اب عدالت نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا چالان ہوا تھا، اور آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ یہ بارہ آنے والے خانے میں جمع کروائیں، کیوں نہیں کروائے؟ میں نے کہا، جی مجھ سے کوتا ہی ہوئی، مجھے کروانے چاہیں تھے، لیکن میں۔۔۔ اس نے کہا، کتنا وقت عملے کا ضائع ہوا۔ کتنا پولیس کا ہوا، اب کتنا "جستیک" کا ہوا (جس عدالت کا ہو رہا ہے) اور آپ کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے تھا۔ تم اس کے بارے میں آپ کو کڑی سزادیں گے۔

میں نے کہا، میں یہاں پر ایک فارنز ہوں۔ پر دیسی ہوں۔ جیسا ہمارا بہانہ ہوتا ہے، میں کچھ زیادہ آداب نہیں سمجھتا۔ قانون سے میں واقع نہیں ہوں تو مجھ پر مہربانی فرمائیں۔ انھوں نے کہا، آپ زبان تو تمہیک ٹھاک بولتے ہیں۔ وضاحت کر رہے ہیں۔ آپ کیا کرتے ہیں، تو میں چپ کر کے کھڑا رہا۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ عدالت آپ سے پوچھتی ہے کہ آپ کون ہیں اور آپ کا پیشہ کیا ہے؟ میں نے کہا، میں ایک ٹیچر ہوں، پروفیسر ہوں روم یونیورسٹی میں، تو وہ بچ صاحب کری کو سائینڈ پر کر کے کھڑا ہو گیا اور اس نے اعلان کیا:

"Teacher in the Court, Teacher in the Court."

جیسے اعلان کیا جاتا ہے، اور وہ سارے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ مشی، تھانے دار، عمل دار، جتنے بھی تھے اور اس نے حکم دیا کہ:

"A teacher has come to the court, Chair should be brought for the teacher."

اب وہ کٹھرا چھوٹا سا، میں اس کو پکڑ کر کھڑا ہوں۔ وہ کرسی لے آئے۔ حکم ہوا کہ ^{تو} Teacher ہے، کھڑا نہیں رہ سکتا۔ تو پھر اس نے ایک بانی پڑھنی شروع کی۔ بچ نے کہا کہ اے معزز استاد! اے دنیا کو علم عطا کرنے والے استاد! اے محترم ترین انسان! اے محترم انسانیت! آپ نے ہی ہم کو عدالت کا حکم دیا ہے، اور آپ ہی نے ہم کو یہ علم پڑھایا ہے، اور آپ ہی کی بدولت ہم اس جگہ پر برا جمان ہیں۔ اس لیے ہم آپ کے فرمان کے مطابق مجبور ہیں۔ عدالت نے جو ضابطہ قائم کیا ہے، اس کے تحت آپ کو چیک کریں، باوجود اس کے کہ میں اس بات کی شرمندگی ہے، اور تم بے حد افسردہ ہیں کہ ہم ایک استاد کو جس سے محترم، اور کوئی نہیں ہوتا، اپنی عدالت میں ٹرائل کر رہے ہیں، اور یہ کسی بھی بچ کے لیے انتہائی تکلیف وہ موقع ہے کہ کورٹ میں، کٹھرے میں ایک استادِ مکرم ہو اور اس سے Trial کیا جائے۔

اب میں شرمندہ اپنی جگہ پر، یا اللہ! یہ کیا شروع ہو رہا ہے۔ میں نے کہا، حضور جو بھی آپ کا قانون ہے، علم یا جیسے کیسے بھی آپ کا ضابطہ ہے، اس کے مطابق کریں، میں حاضر ہوں۔ تو انھوں نے کہا، ہم نہایت شرمندگی کے ساتھ، اور نہایت دکھ کے ساتھ اور گھرے الہ کے ساتھ آپ کو ڈبل جرمانہ کرتے ہیں۔ ڈیڑھ روپیا ہو گیا۔

اب جب میں اٹھ کے اس کری میں سے اس کٹھرے میں سے نکل کر شرمندہ، باہر نکلنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ وہ جو بچ، اس کا ائمہ تھا، اس کے ملشی تھے وہ سارے جتاب میرے پیچھے پیچھے (A teacher in the court) کہے جا رہے تھے کہ ہم احترامِ فائقہ کے ساتھ آپ کو رخصت کرتے ہیں۔ میں کہوں، میری جان چھوڑیں۔ یہ باہر نکل کر میرے ساتھ کیا کریں گے۔ آگے تک میری موڑتک مجھے چھوڑ کے آئے۔ جب تک میں وہاں سے شارت نہیں ہو گیا، وہ عملہ وہاں پر ایسے ہی کھڑا تھا۔

اب میں لوٹ کے آیا تو میں سمجھا، یا اللہ! میں بڑا معزز آدمی ہوں، اور محلے والوں کو بھی آگر بتایا کہ میں ایسے گیا تھا، اور وہاں پر یہ ہوا۔ وہ بھی جناب، اور میری جولینڈ لیڈی تھی، وہ بھی بڑی خوشی کے ساتھ محلے میں چوڑی ہو کے گھوم رہی تھی کہ دیکھو، ہمارا یہ ٹھپر گیا، اور کورٹ نے اتنی عزت کی۔ اس کی عزت افزائی ہوئی تو میں یہ سمجھا کہ اس کے ساتھ ساتھ میری تنوہ میں بھی اضافہ ہو گا۔

دیسی آدمی جو ہے ناں وہ چاہے ٹھپر بھی ہو، وہ گریڈ کا ضرور سوچے گا۔ کتنی بھی آپ عزت دے دیں، کتنا بھی احترام دے دیں، وہ پھر بھی ضرور سوچے گا کہ مجھے کہیں سے چار پیسے بھی ملیں گے کہ نہیں، میں نے اپنے ریکٹر سے پوچھا، تو اس نے کہا نہیں تنوہ یہاں پر وہ فیسر کی اتنی ہی ہے جتنا تمہارے پاکستان میں ہے۔ وہ کوئی مالی طور پر اتنے بڑے نہیں ہیں لیکن عزت کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں۔ رتبہ ان کا بہت زیادہ ہے، اور کوئی شخص یہاں کوئی بیور و کریٹ ہو، یہاں کوئی نجح ہو۔ آپ نے دیکھا ہی لیا ہے۔ یہاں کا تاجر ہو، یہاں کا فیوڈل لارڈ ہو، وہ استاد کے رتبے کے پیچھے اس طرح چلتا ہے، جیسے روم کے دنوں میں غلام اپنے آقا کے پیچھے چلتے تھے۔ مالی طور پر وہ بھی بے چارے ہیں۔ یہی ان کا کمال ہے کہ مالی طور پر کمتر ہیں لیکن رتبے کے اعتبار سے بہت اونچے ہیں جیسے سفر اط جو تھا، وہ اپنے کھنڈروں میں، اور فورم میں کھڑا ہو کے ننگے پاؤں بات کرتا تھا لیکن اس کا احترام تھا۔

(زاویہ)



مشق

۱۔ مختصر جواب دیجیے:

- (الف) سبق ”ایک استاد عدالت کے کشہرے میں“ کہاں سے لیا گیا ہے؟
- (ب) اشFAQ احمد روم میں کون سے دو فرائض انجام دیتے تھے؟
- (ج) ”روم میں دوپہر کے وقت سب لوگ قیلوہ کرتے تھے۔“ اس جملے کا کیا مفہوم ہے؟
- (د) مصنف کا چالان کیوں ہوا؟
- (ہ) نجح نے مصنف کو بطور استاد کیسے مناطب کیا؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

- (i) سبق کے متن کے مطابق روم کی سڑکیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں:
- (الف) بارش سے (ب) دھونے سے (ج) موسم سے (د) سائے سے
- (ii) ”میں طنز امسک رہا یا، کچھ اپنی فیٹ (Fate) کے اوپر، کچھ اپنی کامیابی کے اوپر۔“ جملے میں ”فیٹ“ سے مراد ہے:
- (الف) قسم (ب) شخصیت (ج) دولت (د) واقفیت

(iii) روم میں چالان کے جرمانے کی رقم جمع کرانے کا عامم ذریعہ تھا:

- (الف) آن لائس (ب) منی آرڈر (ج) چیک

(iv) متن کے مطابق اس وقت مصنف کی عمر تھی:

- (الف) بائیس سال (ب) چوبیس سال (ج) چھیس سال

(v) "نج کا" Teacher in the Court کے کہ کھڑے ہونے کا سبب تھا:

- (الف) احترام (ب) خوف (ج) پریشانی

۳۔ متن کو مدد نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) فرغ کریں جس کے پاس اس کا... نہ ہو تو پھر وہ کیا کرے۔

(ب) میں نے خوشی منانے کے لیے ایک... کا پھول اس کی طرف پھینکا۔

(ج) بس وہاں... نہیں جانا پڑتا، دھکے نہیں کھانے پڑتے۔

(د) تقریباً... روپے کا تار تھا۔

(ه) ہم نہایت شرم دیگر کے ساتھ، اور نہایت دکھ کے ساتھ آپ کو... جرمانہ کرتے ہیں۔

۴۔ ٹھیک، گریڈ، یورو و کریٹ انگریزی کے الفاظ ہیں۔ طلبہ سبق سے ایسے مزید الفاظ تلاش کر کے دوسرے طلبہ کو بتائیں۔

۵۔ استاد کے احترام کے متعلق ایک دوسرے سے گفت گو کریں اور بتائیں کہ مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے استاد کا احترام کیسے کیا جاتا ہے؟

۶۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھئے گئے سوالات کے جوابات دیں:

ہمیں پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور دیگر ذرائع سے آئے روز بچوں سے بدسلوکی، ان کے انغو اور قتل کی خبریں سننے کو ملتی ہیں۔ اس کی روک تھام کے لیے بہت سے اقدامات اٹھانے کی فوری طور پر ضرورت ہے۔ بچوں کو ہوشیار کرنا ہو گا کہ اگر کوئی اجنی اخیں کھانے کی کوئی چیز دے تو لے کر نہ کھائیں۔ اگر انھیں کوئی کسی چیز کا لائق دے کر کوئی غلط حرکت کرے، بہانے سے ورغلائے یا اپنے ساتھ لے جانا چاہے، تو اس کے ساتھ ہرگز نہ جائیں بلکہ شور مچا دیں اور اپنی ہر بات اپنے والدین کو بتائیں۔ پچھے اپنے والدین کو بغیر بتائے گھر سے باہر نہ لکھیں۔ اس سلسلے میں والدین اور بچوں کے بڑے بھائی بہنوں کو بھی اپنا کروادا کرنا ہو گا۔ ماں اور باپ دونوں کو اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ اپنے بچوں کو سکول میں وقت سے پہلے نہ بھیجیں اور چھٹی کے بعد تہائی چھوڑیں۔ بچوں کے ذرائع آمد و رفت کا محفوظہ ترا نظم کریں۔ بچوں کے دوستوں پر نظر رکھیں اور بچوں سے یہ بھی کہیں کہ کسی پراندھا اعتماد نہیں کرنا۔ کوئی بھی شخص چاہے وہ دوست یا رشتہ دار ہو یا استاد تھی کیوں نہ ہو، اگر آپ کو ضرورت سے زیادہ رعایت یا بلا وجہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے تو اسے ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھیں۔ بچوں کو اس بات کا بھی اعتماد دیں کہ وہ پچھے کی ہر بات غور سے نہیں گے اور اس کی ہر بات کا یقین بھی کریں گے۔ اسکوں انتظامیہ کی بھر پور ذمہ داری ہے کہ بچوں کے تحفظ کے لیے با قاعدہ اور منظم پروگرام ترتیب دے اور بہر صورت ان کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔

سوالات:

- پچھے خود اپنی حفاظت کیسے کریں؟
 - پچھوں کی حفاظت کے سلسلے میں والدین کی کیا ذمہ داری ہے؟
 - آپ کسی پچھے کے بڑے بھائی ہیں تو اس کی حفاظت کیسے کریں گے؟
 - پچھوں کی حفاظت کے لیے اسکول انتظامیہ کی کیا ذمہ داری ہے؟
 - اس اقتباس کا مناسب عنوان تجویز کریں

۷۔ درج ذیل جملوں کی درستی کریں:

(الف) اس میں ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔	(ب) عارف نے دو مگنی گیہوں خریدی۔
(ج) علی نے اخبار پڑھ لی ہے۔	(د) آج میں نے سائیکل چلائی۔
(ہ) یہ راستہ شارعِ عام نہیں ہے۔	(و) دونوں پچھوں کے قد میں اٹھا رہے ہیں کا فرق ہے۔

محاورہ: محاورہ اہل زبان ہی کی بول چال سے رواج پاتا ہے۔ محاورہ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: نیند حرام ہونا، نو دو گارہ ہونا، تارے گننا، غم کھانا، غصہ مینا وغیرہ۔

۸۔ درج ذیل محاورات کو اینے جملوں میں اس طرح استعمال کر س کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:

آہستن مصروف ہونا، خوشی کی لہر دوڑھانا، ہزار جتن کرتا، بروان چڑھنا

آفت ثوٹ یڑنا، اوسان خطا ہونا، نورش ہونا، قضاصر پر کھینا

مشارة الفاظ:

مشابہ الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں، جو اپنی صوت یا شکل کے لحاظ سے تو ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہوں لیکن ان عرب، املہ اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہوں۔ مشابہ الفاظ کا درجہ ذم صورتیں ہیں:

(الف) وہ الفاظ جن کا املا تو ایک جیسا ہو لیکن اعراب کی تید ملی کی وجہ سے ان کے معانی میں فرق ہو میں: ور، ور-ملک، ملک۔ مثل، مثل وغیرہ

(ب) وہ الفاظ جن کی آواز تو بظاہر ایک جیسی ہو لیکن ان کا اما اور معانی مختلف ہوں مثلاً: راضی، رازی۔ سفر، صفر۔ طاب، تاب وغیرہ

۹۔ سبقی متن کو غور سے پڑھیں اور متشابہ الفاظ تلاش کر کے ان کی فہرست بنائیں۔

۱۰۔ ساق و ساق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریع کریں اور حوالہ متن بھی درج کریں:

”دلیل آدمی جو ہے نا وہ چاہے پیچر بھی ہو۔۔۔۔۔ لیکن اس کا احترام تھا۔“

سرگرمی برائے طلبہ:

درج ذیل الفاظ و تراکیب وغیرہ سے بامعنی جملے بنائیں تاکہ ان کے مفہوم واضح ہو سکیں:
اکاؤنٹ، بھلا چنگا، تحریر کا پنا، عزت افزائی، وسیع و عریض، تکلیف دہ، حامی و ناصر

ہدایات برائے اساتذہ:

- طلبہ کو آگاہ کریں کہ اردو کا دامن بہت وسیع ہے اور اردو میں انگلش اور دوسری یورپی زبانوں کے ان گنت الفاظ روزمرہ گفتگو میں رواج پاچکے ہیں۔
- طلبہ کو محاورہ اور ضرب المثل کا فرق سمجھائیں۔
- طلبہ کو تختہ تحریر کی مدد سے سمجھائیں کہ بعض الفاظ میں اعراب کی تبدیلی سے ان کے معنوں میں زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔



برائے مطالعہ:

”ماں خدا کی نعمت ہے اور اس کے پیار کا انداز سب سے الگ اور نرالا ہوتا ہے۔ بچپن میں ایک بار باد و باراں کا سخت طوفان تھا اور جب اس میں بچلی شدت کے ساتھ کڑکی تو میں خوف زده ہو گیا۔ ڈر کے مارے تحریر کا پرہا تھا۔ میری ماں نے میرے اوپر کمبل ڈالا اور مجھے گود میں بٹھایا تو محسوس ہوا گویا میں امان میں آگیا ہوں۔ میں نے کہا: ”ماں! اتنی بارش کیوں ہو رہی ہے؟“

اس نے کہا: ”بیٹا! پودے پیاسے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں پانی پلانا ہے اور اس بندوبست کے تحت بارش ہو رہی ہے۔“

میں نے کہا: ”ٹھیک ہے، پانی تو پلانا ہے لیکن یہ بچلی کیوں بار بار چمکتی ہے؟ یہ اتنا کیوں کڑکتی ہے؟“
وہ کہنے لگیں: ”روشنی کر کے پودوں کو پانی پلانا جائے گا، اندر ہیرے میں تو کسی کے منہ میں تو کسی کی ناک میں پانی چلا جائے گا، اس لیے بچلی کی کڑک چمک ضروری ہے۔“

میں ماں کے سینے کے ساتھ لگ کر سو گیا۔ پھر مجھے پتا نہیں چلا کہ بچلی کس قدر چمکتی رہی یا نہیں۔“

(”ماں جی“—از اشراق احمد)



رشید احمد صدیقی

(۱۸۹۲ء۔۷۱۹ء)

رشید احمد صدیقی قصبہ مڑیا ہو، ضلع جون پور، (بیو۔ پی، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور میڈریک تک تعلیم جون پور کے سکول سے حاصل کی۔ مالی حالات سے مجبور ہو کر ضلع کچھری جون پور میں کلرک بھرتی ہو گئے، مگر ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی اور ایم اے اوکالج، علی گڑھ سے ایم اے فارسی کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں طالب علمی کے زمانے سے ہی انسائیٹی طرز کے مزاحیہ مضامین لکھنے شروع کیے جنہیں تادم آخر لکھتے رہے۔ علاوہ ازیں وہ ۱۹۲۵ء میں شعبہ درس و تدریس سے منسلک ہو گئے اور جب علی گڑھ کالج، یونیورسٹی بن گیا تو ترقی پا کر علی گڑھ یونیورسٹی کے صدر شعبہ اردو کے منصب تک جا پہنچے۔ اس طرح انہوں نے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے علمی و ادبی طور پر ایک بھروسہ ندیگی بسر کی۔

رشید احمد صدیقی نے مضمون نگاری، خاکہ نگاری اور خطوط نگاری کے میدان میں بھی شہرت حاصل کی۔ وہ اپنے عہد کے ایک نامور انسا پرداز تھے۔

رشید احمد صدیقی کو علی گڑھ سے خاص اُنس تھا۔ ان کی تحریروں میں علی گڑھ کی یادیں جگہ جگہ بکھری پڑی ہیں اور ان کے مزاج میں شاعری اور خوش طبعی کے وافر عناصر ملتے ہیں۔ ان کا اسلوب بیان نہایت خوب صورت ہے۔ ان کے طنز و مزاج میں گہرا سورپا یا جاتا ہے۔ ان کی اہم تصانیف میں ”طنزیات و مفسح کات“، ”مضامینِ رشید“، ”گنج ہائے گرال مائی“، ”ہم نفسانِ رفتہ“، ”ہمارے ذاکر صاحب“، ”آشقتہ بیانی میری“، ”جدید اردو غزل“، ”اردو رسم خط“ اور ”مکاتیب رشید احمد صدیقی“ شامل ہیں۔

رشید احمد صدیقی کے علمی، ادبی اعزازات میں پدم شری ایوارڈ کے علاوہ ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سمیت کئی دیگر ایوارڈ شامل ہیں۔ رشید احمد صدیقی کی صحت عمر کے کسی حصے میں بھی قابلِ رشک نہیں رہی تھی۔ مدتوں انہیں گردے کی شدید تکلیف رہی۔ طویل علاالت کے بعد علی گڑھ میں وفات پائی۔



چار پائی

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو صنفِ انسانیہ کے بارے میں بنیادی باتیں بتانا۔
- انسانیہ نگاری کی روایت اور ارتقا کا جائزہ لیتا۔
- رشید احمد صدیقی کی ادبی خدمات سے روشناس کرانا۔
- طلبہ کو بتانا کہ ”چار پائی“ میں حقیقت نگاری، ادبی لطافت، رنگِ مزاج اور متنوع کیفیات ایک ساتھ جلوہ گریں۔

چار پائی اور مذہب ہم ہندوستانیوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہم اسی پر پیدا ہوتے ہیں اور ہمیں سے مدرسے، آفس، بیل خانے، کوسل، یا آخرت کا راستہ لیتے ہیں۔ چار پائی ہماری گھٹتی میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم اس پر دو اکھاتے ہیں، دعا اور بھیک بھی مانتے ہیں۔ کبھی فکرِ سخن کرتے ہیں اور کبھی فکرِ قوم۔ اکثر فاقہ کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ہم کو چار پائی پر اتنا ہی اعتناد ہے جتنا بر طاشی کو آئی۔ سی۔ ایس پر، شاعر کو تفافیہ پر یا طالب علم کو شل غپاڑے پر۔

چار پائی کی مثال ریاست کے ملازم سے دے سکتے ہیں۔ یہ ہر کام کے لیے ناموزوں ہوتا ہے، اس لیے ہر کام پر لگا دیا جاتا ہے۔ ایک ریاست میں کوئی صاحب ”ولایت پاس“ ہو کر آئے۔ ریاست میں کوئی اسمی نہ تھی جو ان کو دی جا سکتی۔ آدمی سو جھو بوجھ کے تھے، راجا صاحب کے کانوں تک یہ بات پہنچا دی کہ کوئی جگہ نہ ملی تو وہ لاث صاحب سے طے کر آئے ہیں۔ راجا صاحب ہی کی جگہ پر اتفاکریں گے۔ ریاست میں پہچل مچ گئی۔ اتفاق سے ریاست کے سول سرجن رخصت پر گئے ہوئے تھے، یا ان کی جگہ پر تعینات کرد یہ گئے۔ کچھ دنوں بعد سول سرجن صاحب واپس آئے تو انہیں صاحب پر فانچ گرا۔ ان کی جگہ ان کو دے دی گئی۔ آخری بار یہ خبر سنی گئی کہ وہ ریاست کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہو گئے تھے اور اپنے ولی عہد کو ریاست کے ولی عہد کا مصاحب بنوادیئے کی فکر میں تھے۔

یہی حالت چار پائی کی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان ملازم صاحب سے کہیں زیادہ کارآمد ہوتی ہے۔ فرض کیجیے آپ بیمار ہیں، سفر آخترت کا سامان میسر ہو یا نہ ہو، اگر چار پائی آپ کے پاس ہے تو دنیا میں آپ کو کسی اور چیز کی حاجت نہیں۔ دوا کی پڑیاں تکیے کے نیچے، جوشاندے کی دیکھی سرہانے رکھی ہوئی، چار پائی کے نیچے میلے کپڑے، بچوں کے کھلونے، جھاڑو، آش جو، روٹی کے پھائیے، کاغذ کے نکڑے، مجھر، بھنگے، گھر یا محلے کے دو ایک بچے، جن میں ایک آدھ زکام خسرے میں بتلا۔ اچھے ہو گئے تو بیوی نے چار پائی کھڑی کر کے غسل کر دیا، ورنہ آپ کے دسمن اسی چار پائی پر لب گور لائے گئے۔

ہندوستانی گھرانوں میں چار پائی کو ڈرائیگ روم، سونے کا کمرہ، غسل خانہ، قلعہ، خانقاہ، دواخانہ، صندوق، کتاب گھر، شفاخانہ، سب کی

حیثیت، کبھی کبھی بے یک وقت ورنہ وقت وقت پر حاصل رہتی ہے۔ کوئی مہمان آیا، چار پائی نکالی گئی۔ اس پر ایک نئی دری بچھادی گئی، جس کے تھے کے نشان ایسے معلوم ہوں گے جیسے کسی چھوٹی سی اراضی کو مینڈوں اور نالیوں سے بہت سے مالکوں میں باش دیا گیا ہے اور مہمان صاحب مع اچکن، ٹولی، بیگ، بخی کے بیٹھے گئے اور تھوڑی دیر کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار ہو گیا کہ مہمان بے وقوف ہے یا میز بان بد نصیب! چار پائی ہی پر ان کا منہ ہاتھ دھلوایا اور کھانا کھلا یا جائے گا اور اسی چار پائی پر یہ سورہیں گے۔ سوجانے کے بعد ان پر سے مجھر ملکھی اسی طرح اڑائی جائے گی جیسے کوئی پھیری والا اپنے خوانچے پر سے جھاڑونما مور چھل سے مکھیاں اڑا رہا ہو۔

چار پائی پر سوکھنے کے لیے انداج پھیلا یا جائے گا، جس پر تمام دن چڑیاں حملے کرتی، دانے چکتی اور گالیاں سنتی رہیں گی۔ کوئی تقریب ہوئی تو بڑے پیلانے پر چار پائی پر آلو چھیلے جائیں گے۔ ملازمت میں پیش کے قریب ہوتے ہیں تو جو کچھ رخصت جمع ہوئی رہتی ہے، اس کو لے کر ملازمت سے سبک دوش ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح چار پائی پیش کے قریب پہنچتی ہے تو اس کو کسی کال کوٹھری میں داخل کر دیتے ہیں اور اس پر سال بھر کا پیاز کا ذخیرہ جمع کر دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ دیہات کے ایک میز بان نے پیاز ہٹا کر اس خاکسار کو ایسی ہی ایک پیش یافتہ چار پائی کال کوٹھری میں بچھادیا تھا اور پیاز کو چار پائی کے نیچے اکٹھا کر دیا گیا تھا۔ اس رات کو مجھ پر آسمان کے اتنے ہی طبق روش ہو گئے تھے، جتنا ساری پیازوں میں چھلکے تھے اور وہ یقیناً چودہ سے زیادہ تھے۔

چار پائی ایک اچھے بکس کا بھی کام دیتی ہے، تکلیے کے نیچے ہر قسم کی گولیاں، جن کے استعمال سے آپ کے سوا کوئی واقف نہیں ہوتا، ایک آدھ روپیا، چند دھیلے پیسے، اسٹیشنری، کتابیں، رسائل، جائزے کے کپڑے، تھوڑا بہت ناشتا، نقش سیمائنی، فہرست دواخانہ، سمن، جعلی دستاویز کے کچھ مسودے، یہ سب چار پائی میں آباد ملیں گے۔ میں ایک ایسے صاحب سے واقف ہوں جو چار پائی پر لیٹے لیٹے ان میں سے ہر ایک کو، اجالا ہو یا اندھیرا، اس صحت کے ساتھ آنکھ بند کر کے نکال لیتے اور پھر رکھ دیتے، جیسے حکیم ناپینا صاحب مرحوم اپنے لمبے چوڑے بکس میں سے ہر مرض کی دوائیں نکال لیتے اور پھر رکھ دیتے۔

حکومت بھی چار پائی ہی پر سے ہوتی ہے۔ خاندان کے کرتا دھرتا چار پائی ہی پر برا جمان ہوتے ہیں۔ وہیں سے ہر طرح کے احکام جاری ہوتے رہتے ہیں اور گناہ گار کو سزا بھی وہیں سے دی جاتی ہے۔ آلات سزا میں ہاتھ، پاؤں، زبان کے علاوہ ڈنڈا، جوتا، تا ملوٹ بھی ہیں جنہیں اکثر پھینک کر مارتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ توقف کرنے میں غصتے کا تاؤ مہم نہ پڑ جائے اور ان آلات کو مجرم پر استعمال کرنے کے بجائے اپنے اوپر استعمال کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہونے لگے۔

چار پائی ہی کھانے کا کمرہ بھی ہوتی ہے۔ باور پچی خانے سے کھانا چلا اور اس کے ساتھ پانچ سات چھوٹے بڑے بچے، اتنی ہی مرغیاں، دو ایک کتے، بلی اور بے شمار مکھیاں آپنچھیں۔ سب اپنے قرینے سے بیٹھے گئیں۔ صاحب خانہ صدر دستہ خوان ہیں۔ ایک بچہ زیادہ کھانے پر مار کھاتا ہے، دوسرا بد تیزی سے کھانے پر، تیسرا کم کھانے پر، چوتھا زیادہ کھانے پر اور بقیہ اس پر کہ ان کو مکھیاں کھائے جاتی ہیں۔ دوسری طرف یہوی کبھی اڑاتی جاتی ہے اور شوہر کی بذبائی سنتی اور بد تیزی سنتی جاتی ہے۔ کھانا ختم ہوا۔ شوہر شاعر ہوئے تو ہاتھ دھو کر فکر سخن میں چار پائی ہی پر لیٹ گئے۔ کہیں دفتر میں ملازم ہوئے تو اس طرح جان لے کر بھاگے جیسے گھر میں آگ لگی ہے۔ اور کوئی نہ ہی آدمی

ہوئے تو ایک کی یاد میں قیلولہ کرنے لگے، بیوی پنج بدن دبانے اور بد دعا بھی سننے لگے۔

چار پائی ہندوستان کی آب و ہوا، تمدن و معاشرت، ضرورت اور ایجاد کا سب سے بھر پور نمونہ ہے۔ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے مانند ڈھیلی ڈھالی، شکستہ حال، بے سروسامان لیکن ہندوستانیوں کی طرح غالب اور حکمران کے لیے ہر قسم کا سامان راحت فراہم کرنے کے لیے آمادہ، کوچ اور صوفے کے دلدادہ اور ڈرائیگ روم کے اسی راحت و عافیت کا کیا اندازہ لگا سکتے ہیں جو چار پائی پر میسر آتی ہے! شعر انے انسان کی خوشی اور خوشی حالت کے لیے کچھ باتیں منتخب کر لی ہیں، مثلاً: پنج دوست، شرافت، فراغت، اور گوشہ چمن۔ ہندوستان جیسے غریب ملک کے لیے عیش و فراغت کی فہرست اس سے مختصر ہوئی چاہیے۔ میرے نزدیک تصرف ایک چار پائی ان تمام اوازیں کو پورا کر سکتی ہے۔

بانوں کی نوٹی ہوئی چار پائی ہے جسے مگاکے کیتیں میں بطور مچان باندھ دیا گیا ہے۔ ہر طرف جھومنت لہبھاتے کھیت ہیں۔ بارش نے گرد و پیش کو شگفتہ و شاداب کر دیا ہے، ڈور ڈور جھیلیں جھمکتی نظر آتی ہیں جن میں طرح طرح کے آبی جانور اپنی اپنی بولیوں سے برسات کی عمل داری اور مزے داری کا اعلان کرتے ہیں۔

مچان پر بیٹھا ہوا کسان کیتی کی رکھوائی کر رہا ہے، اس کے یہاں نہ آسائش ہے نہ آرائش، نہ علم و فضل، نہ دولت و اقتدار لیکن یہ سب چار پائی پر بیٹھے ہوئے اسی کسان کی محنت کا کرشمہ ہیں۔ پھر ایک دن آئے گا جب اس کی پیداوار کو چور، مہاجن یا زمیندار لوٹ لیں گے اور اسی چار پائی پر اس کو سانپ ڈس لے گا اور قصہ پاک ہو جائے گا۔

برسات ہی کا موسم ہے۔ گاؤں میں آموں کا باعث بھی دھوپ کبھی چھاؤں، کوئل کوتی ہے، ہوا بھکتی ہے۔ گاؤں کے لڑکے لڑکیاں دھوم مچا رہی ہیں۔ کہیں کوئی پتھر ہوا آم ڈال سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔ سب کے سب جھنپتے ہیں۔ جس کو مل گیا، وہ ہیر و بن گیا جس کو نہ ملا اس پر سب نے جھنپتے لگائے۔ یہی لڑکے لڑکیاں جو اس وقت کسی طرح قابلِ التفات نظر نہیں آتیں، کے معلوم آگے چل کر زمانہ اور زندگی کی کن نیرنگیوں کو اجاگر کریں گے، کتنے فاقہ کریں گے، کتنے فاتح بنیں گے، کتنے نام و را اور نیک نام، کتنے گم نام و نافرجام اور یہ خاکسار ایک کھڑری چار پائی پر اس باعث میں آرام فرم رہا ہے۔ چار پائی با غبان کی ہے، باعث کسی اور کا ہے، لڑکے لڑکیاں گاؤں کی ہیں۔ میرے حصے کا صرف آم ہے۔ ایسے میں جو کچھ دماغ میں نہ آئے تھوڑا ہے یا جو تھوڑا دماغ میں ہے وہ بھی نکل جائے تو کیا تجہب!

پھر عالمِ تصور میں ایسی کائنات تعمیر کرنے لگتا ہوں جو صرف میرے لیے ہے جو میرے ہی اشارے پر بنتی بگزتی ہے، مجھے خالق کا درجہ حاصل ہے، اپنے مخلوق ہونے کا وہ تم بھی نہیں گزرتا، نہ اس کا خیال کہ زمانہ کے کہتے ہیں، نہ اس کی پرواہ کہ زندگی کیا ہے۔ دوسروں کو ان کا اسیر دیکھ کر چونک پڑتا ہوں۔ پھر یہ محسوس کر کے کہ میں ان لوگوں سے اور خود زمانہ اور زندگی سے علیحدہ بھی ہوں۔ کچھ دیر کے لیے اوٹھنے لگتا ہوں۔ ممکن ہے اوٹھنے میں پہلے سے بتتا ہوں۔

(مصطفیٰ رشید)



مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

- (الف) سبق میں ریاست کے ملازم اور چار پائی میں کون کون سی مشاہدہ بتائی گئی ہے؟
 (ب) متن کے مطابق چار پائی کے نیچے کیا کچھ جمع ہوتا ہے؟
 (ج) ”ورنہ آپ کے دشمن اسی چار پائی پر لب گور لائے گے۔“ اس جملے کی وضاحت کریں۔

(د) ”جھاڑونما نور چھل“ سے کیا مراد ہے؟

(ه) چار پائی پر سے حکومت کیسے ہوتی ہے؟

۲۔ متن کو مدد نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) چار پائی پر سوکھنے کے لیے۔۔۔۔۔ پھیلا یا جائے گا۔

(ب) چار پائی پیش کے قریب پہنچتی ہے تو اس کو کسی کال۔۔۔۔۔ میں داخل کر دیتے ہیں۔

(ج) چار پائی ایک اچھے۔۔۔۔۔ کا بھی کام دیتی ہے۔

(د) صاحب خانہ صدر۔۔۔۔۔ ہیں۔

(ه) اور کوئی مذہبی آدمی ہوئے تو اللہ کی یاد میں۔۔۔۔۔ کرنے لگے۔

انشائیہ: کسی خاص موضوع پر بحث کو احاطہ تحریر میں لانا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ مضمون ایک ایسی تحریر ہے جس میں زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق کسی بھی موضوع پر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ انشائیہ نثری ادب کی وہ صنف ہے جو مضمون کی مانندگتی ہے مگر مضمون سے الگ انداز رکھتی ہے۔ انشائیہ میں انشائیہ نگار آزادانہ طور پر اپنی تحریر پیش کرتا ہے جس میں اس کی شخصیت کا پہلو نظر آتا ہے۔ کسی خاص نتیجہ کے بغیر بات کو ختم کرتا ہے۔ انشائیہ میں دل چسپ بیان، غیر رسمی انداز، خوش گوارحیر اور نظریے کے تکمیلے پن کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ رشید احمد صدیقی کا زیر نظر سبق ”چار پائی“ ایک بہترین انشائیہ ہے۔ یہ نیم مزاجیہ ہوتا ہے اور انشائیہ پڑھتے ہوئے قاری کے زیر لب سکراہٹ ہوتی ہے۔

۳۔ انٹر نیٹ کے ذریعے سے ڈاکٹروزیر آغا کا تحریر کردہ کوئی انشائیہ تلاش کر کے اپنے دوستوں کو سنا دیں۔

خاکہ: خاکہ کے لغوی معنی ابتدائی نقشہ یا ڈھانچا کے ہیں۔ خاکے سے مراد کسی شخص کی لفظی تصویر کشی ہے۔ خاکے کو شخصی مرقع یا شخصیت نگاری بھی کہتے ہیں۔ خاکہ نگار کو خاکے کا موضوع بننے والی شخصیت کے مزاج سے مکمل آگاہی ہوئی چاہیے۔ بنیادی طور پر خاکہ اختصار، جامعیت اور دل آویز زبان و بیان کا حامل ہونا چاہیے۔

۴۔ اپنے پسندیدہ استاد محترم کا تعارفی خاکہ تحریر کریں اور اپنے دوستوں کو سنا دیں۔

رسیدات: رسید کے معنی وصول کرنا، پہنچنا، رسائی وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں رسید وہ تحریر ہے جس میں کسی شے کے پہنچنے یا

وصول ہونے کا مضمون ہو۔ قانونی لحاظ سے رقم یا سامان وصول کرنے کی باقاعدہ تحریر جس میں وصول کرنے والے اور گواہوں کے دستخط موجود ہوں۔

- نیچے دی گئی رسید کو نمونے کے طور پر پڑھیں اور پوچھئے گئے سوال کا جواب دیں۔
باعث تحریر آنکہ

مبلغ پچاس ہزار روپے (50,000) نصف جن کے پچیس ہزار روپے (25,000) ہوتے ہیں، بابت کراچی مکان نمبر ۳۲ سی بلاک، کنڈر گارڈن کالونی، گوجرانوالہ ازاں محمد عمیر ولد صغیر احمد، ذات چیمہ، نقد وصول پاک رسید لکھ دی ہے تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
الله بنجش ولد محمد بنجش	عبدالمنان ولد محمد جیل	محمد اشرف ولد محمد جمل
ساکن ----	ساکن ----	ساکن ----
قومی شناختی کارڈ نمبر ----	قومی شناختی کارڈ نمبر ----	قومی شناختی کارڈ نمبر ----
دستخط ----	دستخط ----	دستخط ----

تاریخ: ۳۰ مارچ ۲۰۲۰ء

- ۵۔ فرض کریں کہ آپ نے کسی سے ساٹھ ہزار روپے قرض لیا ہے۔ اس حوالے سے ایک رسید لکھیں۔
- ۶۔ مرکب لفظ کا نصف اول کالم ”الف“ میں جب کہ اس کا نصف دوم کالم ”ب“ میں موجود ہے، انہیں جوڑیے اور کالم ”ج“ میں پورا مرکب لفظ لکھیے۔ جیسے: اوڑھنا بچھونا

کالم: ج	کالم: ب	کالم: الف
بچھونا	کوشی	اوڑھنا
	خوان	غل
	حالی	نا
	بچھونا	سبک
	غپڑا	دستر

	موزوں	خوش
	دوش	عیش

۷۔ درج ذیل ضرب الامثال کا محل استعمال لکھیں:

- گیوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے
 - بوڑھی گھوڑی لال لگام
 - چور کی ڈاڑھی میں تنکا
 - سبق ”چارپائی“ کا خلاصہ تحریر کیجیے۔
 - سیاق و سبق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں اور حوالہ متن بھی درج کریں:
 - ”ہندوستانی گھرانوں میں چارپائی۔۔۔۔۔ مورچھل سے لمبیاں اڑا رہا ہو۔“

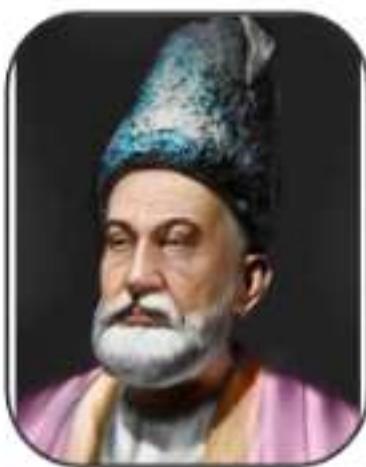
سرگرمی برائے طلبہ:

- ۱۰۔ اپنے کسی پسندیدہ موضوع پر ایک انشائی تحریر کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- طلبہ کو صفتِ انسانیہ کی مختصر تاریخ سے آگاہ کریں۔
 - صفتِ انسانیہ کی نمایاں خصوصیات طلبہ کو بتائیں۔
 - اردو کے چند انسانیہ زنگاروں کے نام بتائیں۔





مرزا اسدالله خاں غالب

(۱۷۹۶ء۔ ۱۸۶۹ء)

اسدالله خاں نام، گھر پر ”مرزا نوشه“ پکارے جاتے تھے۔ پہلے ”اسد“ تخلص کیا پھر ”غالب“۔ آگرے میں پیدا ہوئے۔ نسل ایک ٹرک تھے۔ والد عبداللہ بیگ سپاہی پیشہ تھے۔ غالب پانچ برس کے تھے کہ وہ ایک معز کے میں مارے گئے۔ غالب کی پرورش ان کے پچھے سنجھا لیکن چار سال بعد وہ بھی وفات پا گئے اور غالب اپنے نانا کی نگرانی میں آگئے۔ غنفوانِ شباب بڑی بے فکری میں گزرا۔ غالب بنیادی طور پر شاعر تھے اور اپنی فارسی شاعری پر فخر کیا کرتے تھے۔ ابتداء میں خط بھی فارسی میں لکھتے تھے لیکن بعد میں کچھ تو اپنی بڑھتی ہوئی عمر اور کچھ اپنی چدّت پسندی کے باعث اردو میں خط لکھنے شروع کیے۔ انہوں نے اپنے دوستوں اور شاگروں کو بہت سے خط لکھے جن کے مجموعے ”غنو و ہندی“ اور ”اردو وے معلیٰ“ کے نام سے ان کی زندگی ہی میں مرتب ہو گئے تھے۔

غالب اپنے عہد اور زمانے کی ایک نایگہ روزگار شخصیت تھے، جو اپنے دور کے علمی و ادبی کمالات اور روایات کی عکاسی کرتی تھی۔ ان کی شخصیت اپنے تمام ترقاؤ اور وسعت کے ساتھ ان کے خطوط میں بھی جھلکتی ہے۔ ان کے خطوط کی اہم خصوصیت ان کا اسلوب بیان اور زبان ہے۔ ان کے خطوط بے ساختگی، بے تکلفی، ظزو و مزاج اور تازگی و شوخی کے عناصر سے بھر پور ہیں۔ ان کی زبان سادہ، پرکار اور جوش و دلول سے لبریز ہے۔ جس میں کہیں کہیں مشکل الفاظ و تراکیب بھی آتی ہیں لیکن وہ بھی غالب کی علمیت، ظرافت اور جدت پسندی کی جھلک کے طور پر۔ ان کے خطوط کی زبان و بیان کی روائی بے مثال ہے۔ غالب ان میں اکثر ویژت مکالمہ اور تفافیہ کا استعمال بھی کرتے ہیں لیکن اس سے تصنیع کے بجائے بے ساختگی اور ظرافت کا اظہار ہوتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دو بے تکلف عالم فاضل دوست دنیا اور اس کے معاملات پر گہری نظر رکھنے والے آمنے سامنے بیٹھے آپس میں بات چیت کر رہے ہیں۔ جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

”میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مرا سلے کو مکالمہ بنادیا ہے۔ ہزار کوس سے بے زبان قلم با تیس کیا کرو، بھر میں وصال کے مزے لیا کرو۔“

لیکن اس بے تکلفی و سادگی کے باوجود ان کے خطوط میں علمی و ادبی شان پائی جاتی ہے۔ مرزا غالب کے دو خط شامل کتاب ہیں جو علاء الدین احمد خان علائی^(۱) اور مرزا ہرگوپال تفتہ^(۲) کے نام ہیں۔



(۱) علاء الدین احمد خان علائی: مرزا غالب، علائی کو اپنا خلیفہ شانی سمجھتے تھے۔ یار وہ اور فارسی کے بہت اچھے شاعر اور ترکی زبان بھی بخوبی جانتے تھے۔ ان کی وفات ۱۸۸۳ء میں ہوئی۔

(۲) مرزا ہرگوپال تفتہ: مرزا غالب کے بہت سعادت منداور فرماں بردار شاگرد تھے، مرزا غالب اُنہیں پیارے ”مرزا تفتہ“ کہتے تھے۔

مکاتیب غالب

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کے علمی اور ادبی ذوق کی تربیت کرنا۔
- غالب کے خطوط سے غالب کا تاریخی موقف، سیاسی اور سماجی تبدیلیوں اور ثقافتی پہلوؤں کے بارے میں جانتا۔
- مکاتیب غالب کے توسط سے غالب کے ذہنی، فکری افق اور خیالات کو سمجھنا۔
- طلبہ کی تحریری اور تقریری صلاحیتوں میں اضافہ کرنا۔
- طلبہ کو بتانا کہ نشرنگاری میں غالب کے خطوط کو کس قدر اہمیت حاصل ہے اور یہ کہ غالب نے خطوط نویسی میں منفرد اسلوب کی بنیاد رکھی۔

بِنَامِ عَلَاءِ الدّينِ عَلَيٰ

جانِ غالب!

تم تو شر نورس^(۱) ہو، اس نہال^(۲) کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشوونما پائی ہے اور میں ہوا خواہ و سایہ نشین اس نہال کا رہا ہوں، کیوں کرتم مجھ کو عزیز نہ ہو گے؟ رہی دید وادید، اس کی دو صورتیں ہیں: تم دلی میں آؤ یا میں لوہار و آؤں۔ تم مجبور میں معدود رہو کہتا ہوں کہ میرا غذر زندہ مسموع نہ ہو جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ما جرا کیا ہے؟

سنو! عالم دوہیں: ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور پھر آپ جواب دیتا ہے: لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْفَقَهَارِ

ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم، عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں، لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گناہ گار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رب جب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ تیرہ برس حوالات میں رہا۔ یہ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکمِ جس س دوامِ صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زندگی اور مجھے اس زندگی میں ڈال دیا۔

فکرِ لظم و نظر کو مشقت ٹھہرا یا۔ برسوں کے بعد جیل خانے سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایاں کار مجھے کلکتہ سے پکڑا

(۱) نواب امین الدین احمد خاں، ولیٰ لوہار کے بڑے صاحبِ زادے اور وارثہ ریاست

(۲) امین الدین احمد خاں، ولیٰ لوہار

لائے اور پھر اسی محبس میں بخادیا۔ جب دیکھا کہ قیدی گریز پا ہے، تو تھکریاں اور بڑھادیں۔ پاؤں بیڑی سے فیگار، ہاتھ تھکریوں سے زخم دار، مشقتوں مقرری اور مشکل ہو گئی۔ طاقت یک قلم زائل ہو گئی۔ بے حیا ہوں۔ سال گزشتہ بیڑی کو زاویہ زندان میں چھوڑ مونوں تھکریوں^(۱) کے بھاگا۔ میرٹھ، مراد آباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھرنے بھاگوں گا۔ بھاگوں گا کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکم رہائی دیکھیے کب صادر ہو۔ ایک ضعیف ساختا ہے کہ اسی ماہ ذی الحجه ۷۷۱ھ میں چھوٹ جاؤں گا۔ بہر تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھی بعد نجات سیدھا عالمِ ارواح کو چلا جاؤں گا۔

فریخ آں رُوز کہ از خاتمة زندان بروم
نمودے شهر خود ازیں وادی ویراں بروم^(۲)

غالب
ذی الحجه ۷۷۱ھ
(جون ۱۸۶۱ء)



بنام مرزا ہرگوپال تفتہ

بھائی!

تم سچ کہتے ہو کہ بہت مسوادے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں، مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ہی قصائد پڑے ہیں۔ نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمھیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے، کرانے کی حوصلی میں رہتا ہوں۔ جولائی سے مینھ شروع ہوا۔ شہر میں سیکڑوں مکان گرے اور مینھ کی نئی صورت، دن رات میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہندی نالے بہ نکلیں۔ بالاخانے کا جو دالان میرے اٹھنے بیٹھنے، سونے جانے، جینے مرنے کا محل ہے، اگرچہ گرانیں لیکن چلتی چلنی

(۱) باقر علی خاں اور حسن علی خاں، فرزندان عارف

(۲) میرے لیے وہ دن کس قدر خوش قسمتی کا حامل ہو گا جس دن میں اس قید خانے (دنیا) سے یعنی اس ویران وادی سے اپنے (ہنستے ہنستے) شہر (عالمِ ارواح) کی طرف جاؤں گا۔

ہو گئی۔ کہیں لگن، کہیں چاہیجی، کہیں آگال دان رکھ دیا۔ قلم دان، کتابیں اٹھا کر تو شے خانے کی کوٹھری میں رکھ دیے۔ مالک مرمت کی طرف متوج نہیں۔ کشتی نوح میں تین مینے رہنے کا اتفاق ہوا۔ اب نجات ہوئی ہے۔ نواب صاحب کی غزلیں اور تمہارے قصائد دیکھے جائیں گے۔ میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمہاری خیر و عافیت ان سے معلوم ہوئی تھی۔ میر قاسم علی صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ پرسوں سے نواب مصطفیٰ خاں صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات ان سے ہوئی ہے۔ ابھی یہیں رہیں گے، یہاں ہیں، احسن اللہ خاں معانج ہیں، فصد ہو چکی ہے، جو نکیں لگ چکی ہیں، اب مُسہل کی فکر ہے، سوا اس کے سب طرح کی خیر و عافیت ہے۔ میں نا تو ان بہت ہو گیا ہوں، گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں، ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹے لیٹے خط لکھتا ہوں، لیٹے لیٹے مسوّدات دیکھتا ہوں۔ اللہ! اللہ! اللہ!

غالب

صحیحہ ۱۲ ابرماہ اکتوبر ۱۸۶۳ء
(خطوط غالب مرتبہ مولانا غلام رسول مہر)



مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

- (الف) علاء الدین علائی کے نام خط میں غالب نے کس کس عالم کا ذکر کیا ہے؟
- (ب) غالب کے خیال میں عام قاعدہ کے مطابق عالم آب دل کے مجرم کہاں سزا پاتے ہیں؟
- (ج) ”میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمہاری خیر و عافیت ان سے معلوم ہوئی تھی۔“ تفتہ کے نام خط میں ”میر بادشاہ“ کے کہا گیا ہے؟
- (د) مرزا ہر گوپاں تفتہ کے نام لکھے گئے خط میں مرزا غالب نے کن برتنوں کا ذکر کیا ہے؟
- (ه) نواب مصطفیٰ خاں کی یہاں کی کیا صورت حال بیان کی گئی ہے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) خط کا مقابل لفظ ہے:

- (الف) مراسلہ (ب) خریطہ (ج) قلم (د) کاغذ

(ii) ”جانِ غالب! تم تو شر نورس ہو اس نہال کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشوونما پائی ہے۔“ غالب نے یہ جملہ لکھا:

- (الف) مرزا ہر گوپاں تفتہ کے نام
- (ب) علاء الدین علائی کے نام
- (ج) نواب مصطفیٰ خاں کے نام
- (د) میر قاسم علی کے نام

(iii) خط کے مطابق علاء الدین علائی کا مسکن ہے:

- (الف) دہلی
- (ب) لوہارو
- (ج) لکھنؤ
- (د) رامپور

(iv) غالب نے اپنے آپ کو گناہ گار کہا ہے:

- (الف) عالمِ ارواح کا (ب) عالمِ آب و گل کا (ج) عالمِ بزرخ کا (د) عالمِ حشر کا

(v) مرتضیٰ اہر گو پال تفتہ نے غالب کو اصلاح کے لیے بھیجا:

- (الف) قصیدے (ب) غزلیں (ج) مرثیے (د) حمدیں اور نعتیں

۳۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معانی لکھیں:

کوس، وصال، خیر و عافیت، مسموع، مسونہ، بلا و شرقیہ، کشتی تو ج

۴۔ متن کو مدد نظر رکھتے ہوئے مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) میر اعذر۔۔۔ مسموع نہ ہو جب تک نہ سمجھ لو۔

(ب) دلی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس۔۔۔ میں ڈال دیا۔

(ج) میں آٹھویں ربیع الحجه میں۔۔۔ کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔

(د) میں بھی بعد نجات سیدھا عالم۔۔۔ کو چلا جاؤں گا۔

(ه) میں ناتوال بہت ہو گیا ہوں، گویا۔۔۔ ہوں۔

۵۔ کالم ”الف“ میں دیے گئے الفاظ کو کالم ”ب“ کے متعلق الفاظ سے ملا گیں:

کالم (ب)	کالم (الف)
آواز	تجھ
نشر	زمزمہ
نالے	خوش
زندان	نظم
پرداز	ندی
وصال	ہتھکڑی

۶۔ طلبہ باہمی گفت و شنید سے درج ذیل بیانات میں سے درست اور غلط کی نشان دہی کریں:

(الف) غالب نے لکھا کہ میں تین برس بلا و شرقیہ میں پھر تارہا۔

(ب) ”جانِ غالب! تم تو شر نور ہو۔“ غالب کے یہ الفاظ مرتضیٰ تفتہ کے لیے ہیں۔

(ج) نوابِ مصطفیٰ خاں، حسن اللہ خاں کے معانج تھے۔

(د) ”خطوطِ غالب“، مولانا غلام رسول مہر کی مرتبہ کتاب ہے۔

۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں:

جدید سائنسی ایجادات نے مواصلات کے نظام میں ان گنت تبدیلیاں برپا کر دی ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی وژن، ٹیلی فون، موبائل فون، فلکس اور انٹرنیٹ، وہ ایجادات ہیں جن کے سبب ہم ساری دنیا کو اپنے سامنے موجود پاتے ہیں۔ اب یہ ممکن ہو چکا ہے کہ ہم کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ ہزاروں میل دور بیٹھے کسی بھی شخص کو براہ راست دیکھ سکتے ہیں اور اس سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ای میل کے ذریعے چند سینٹ میل میں ہزاروں کلو میٹر دور دوستوں کو پیغامات، مضمایں، کہانیاں، اسباق اور اشعار وغیرہ بھیجے جاسکتے ہیں۔ موجودہ دور میں موبائل فون سے بھی کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا کام لیا جا رہا ہے۔ طلبہ کمپیوٹر کو سامنے رکھ کر انٹرنیٹ کے ذریعے کسی بھی تعلیمی ادارے، کسی بھی شعبہ تعلیم اور کسی بھی کتاب کے بارے میں بھرپور معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ ان سہولیات نے ہمارے درس و تدریس کے نظام کو بہت مؤثر، علاج معالجے کی مستند معلومات کی فراہمی کو آسان اور معلوماتی عامہ تک عام آدمی کی رسائی کو ممکن بنادیا ہے۔

سوالات:

- عبارت کے حوالے سے بتائیں کہ کن سائنسی ایجادات کا اعلق مواصلات کے نظام سے ہے؟
- انٹرنیٹ کے کیا فوائد ہیں؟
- موجودہ دور میں موبائل فون سے کیا کیا کام لیا جا سکتا ہے؟
- عبارت میں جدید مواصلاتی سہولیات سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے کن دو اہم شعبوں کا ذکر کیا گیا ہے؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

(i) حروف ندا سیہ / فنا سیہ (!): ندا سیہ اور فنا سیہ کے جملوں کے لیے اگرچہ ایک ہی علامت (!) استعمال ہوتی ہے لیکن دونوں جملے اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

(ii) ندا سیہ (!): ندا سیہ کا لفظ ندا سے بنائے جس کے معنی ہیں آواز دینا، پکارنا، مخاطب کرنا، بلانا وغیرہ۔ مثلاً:

(الف) ارے لڑکے! میری بات سنو۔	(ب) سبزی والے! ذرار کنا۔
(ج) حضرات! ایک ضروری اعلان سنیے۔	(د) عزیز طلبہ! آج ہم دعایاتِ سعدیؒ کے متعلق گفتگو کریں گے۔

فنا سیہ (!): فنا سیہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں اچانک، فوراً، یکاںک وغیرہ۔ اردو زبان میں جب کسی جوش، غم وغصے، حیرت و تعجب، نفرت، خوف، تمثنا، تحسین یا تحریر جیسے کسی جذبے کا اظہار کیا جائے تو ایسے جملے یا لفظ کے بعد (!) کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً:

- | | |
|---|--|
| (الف) حروف تاءٰف: افسوس! اُس نے میری قدر نہ کی۔ | (ب) حروف تجہب: سبحان اللہ! کتنا سہانا موسم ہے۔ |
| (ج) حروف نفرین: لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ! میں نے آج یہ کس کی صورت دیکھ لی۔ | |

(و) حروفِ تمنا: کاش! تم نے محنت کی ہوتی۔

(۵) حروف تحسین: واه وا! کیا کار کردگی دکھائی آپ نے۔

۸۔ طلبہ مکاتیب غالب کے زیر عنوان دلوں خطوطِ توجہ سے پڑھیں اور ندا سیئے / فنا سیئے حروف تلاش کر کے اپنی نوٹ بک میں درج کریں۔

۹۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباسات کی تشریح کریں اور حوالہ متن بھی درج کریں:

- ”تم تو عمر نورس ہو اور ما جرا کیا ہے؟“
”ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ طاقت یک قلم زائل ہو گئی۔“
”تم سچ کہتے ہو کہ اب نجات ہوئی ہے۔“

سرگرمی برائے طلبہ:

- اس سبق کی روشنی میں خط کے اجزا کو مدد نظر کھتے ہوئے آپ اپنے دوست کو سیر و سیاحت کے حوالے سے خط لکھیں۔
ہدایات برائے اسامیڈہ:

ہدایات برائے اساتذہ:

- طلبہ کو انفارمیشن سینکا لو جی (پرنٹ اور الیکٹر انک میڈیا) کے جدید ذرائع سے متعلق آگاہ کریں۔
 - طلبہ کو تختہ تحریر کی مدد سے ندا سیئے اور فنا سیئے کی مزید مثالیں دیں۔
 - خطوط انویسی کے حوالے سے طلبہ کو انٹریٹ کی مدد سے قائد اعظم اور علامہ اقبال کے خطوط کے عکس دکھائیں۔





خواجہ حسن نظامی

(۱۸۷۳ء-۱۹۵۵ء)

اصل نام ”سید علی حسن“ تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیشہ کی اولاد میں سے تھے اور ساری زندگی خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے زیر سایہ گزاری۔ درگاہ کے متولی تھے۔ انہوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ شروع ہی سے کتب میں کا شوق تھا، اپنی بہت اور شوق سے پڑھا۔ شروع میں کتابیں بیچتے تھے پھر کتابیں لکھیں، رسولوں کے ” مدیر“ ہوئے اور ساری زندگی تصنیف و تالیف میں گزاری۔ انہوں نے بے شمار مضمایں، پھلفت اور کتابیں لکھیں۔ موضوعات کا منتوں ان کا خاصہ تھا۔ روحانیات اور مذہبیات سے لے کر عملی زندگی اور تراکیب و نسخوں سمیت انہوں نے ہر موضوع پر لکھا لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور مغلیہ خاندان کی بر بادی ان کے خاص موضوعات تھے۔ ان کی اہم کتابوں میں: ”بیگمات کے آنسو“، ”سی پارہ دل“، ”غدر دہلی“ کے افسانے، اور ”مضامین حسن نظامی“ زیادہ مشہور ہیں۔

خواجہ حسن نظامی کا شمار اردو کے منفرد اور صاحب طرز انشا پردازوں میں ہوتا ہے۔ ان کی تحریر میں سادگی، روانی اور تاثیر کی خصوصیات نمایاں ہیں۔ وہ اپنے دور کی دہلی کی رواں، شستہ اور صاف زبان استعمال کرتے ہیں جس میں وہ بے تکلفی لیکن چستی اور موزونیت سے کام لے کر سوز و گداز کا غصر پیدا کر دیتے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی کو مضمون نویسی اور انشائیہ نگاری میں خاص ملکہ اور مقام حاصل ہے۔ انہوں نے نہایت ہی منفرد، انوکھے اور دل چسپ موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ خواجہ حسن نظامی معمولی سی معمولی چیز کو موضوع بنالیتے ہیں اور اپنے اسلوب تحریر اور منفرد و متنوع زاویہ نگاہ سے اس میں نئی دلچسپیاں اور انوکھے زاویے پیدا کرتے ہیں۔ وہ بات سے بات پیدا کرتے چلتے جاتے ہیں۔ ان کا انداز ایک کھلے ذہن، کھلے دل اور سچے المشرب نقطہ نظر رکھنے والے صوفی کا ہے۔ زیر نظر مضمون ”فاقہ میں روزہ“ اسی انداز تحریر کا نمونہ ہے۔



فاقہ میں روزہ

(تاجدارِ بھلی کے ایک کتبے کا فسانہ)

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کے ادبی ذوق کی تربیت کرنا۔
- طلبہ کے سماجی، سیاسی اور اخلاقی شعور میں اضافہ کرنا۔
- ”فاقہ میں روزہ“ جیسے مضامین سماجی مسائل اور غربت کی حالت کو بیان کرتے ہیں، خواجہ حسن نظامی کے مقصود تحریر کو سمجھنا۔
- طلبہ میں ہمدردی اور دوسروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کی ترغیب پیدا کرنا۔

جب وہلی زندہ تھی اور ہندوستان کا دل کھلانے کا حق رکھتی تھی، لال قلعہ پر تیوریوں کا آخری نشان اپر رہا تھا۔ انھی دنوں کا ذکر ہے کہ مرزا سلیم بہادر (جو ابوظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے) اپنے مردانہ مکان میں بیٹھے ہوئے دوستوں سے بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں زنان خانہ سے ایک اونڈی باہر آئی اور ادب سے عرض کیا کہ حضور! بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ مرزا سلیم فوراً محل میں چلے گئے اور تھوڑی دیر میں مغموم واپس آئے۔ ایک بے تکلف ندیم نے عرض کیا: ”خیر باشد! مزاج عالی مکدر رپاتا ہوں۔“ مرزا نے مسکرا کر جواب دیا: ”تمیں کچھ نہیں۔ بعض اوقات اتنا حضرت خواہ نخواہ ناراض ہو جاتی ہیں۔ کل شام کو افطاری کے وقت نخشن خان گویا گارہ تھا اور میرا دل بہلا رہا تھا۔ اس وقت اتنا حضرت قرآن شریف پڑھا کرتی ہیں۔ ان کو یہ شورغل ناگوار معلوم ہوا۔ آج ارشاد ہوا ہے کہ رمضان میں گانے بجانے کی محفلیں بند کر دی جائیں۔ بھائیں اس تفریجی عادت کو کیوں کر چھوڑ سکتا ہوں۔ ادب کے لحاظ سے قبول تو کر لیا مگر اس پابندی سے جی انجھتا ہے۔ جیران ہوں کہ یہ سولہ دن کیوں کر بسر ہوں گے۔“

مصاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: ”حضور! یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے۔ شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد تشریف لے چلا کیجیے۔ عجب بہار ہوتی ہے۔ رنگ برنگ کے آدمی، طرح طرح کے جملگھٹے دیکھنے میں آئیں گے۔ خدا کے دن ہیں، خدا والوں کی بہار بھی دیکھیے۔“ مرزا نے اس صلاح کو پسند کیا اور دوسرے دن مصاحبوں کو لے کر جامع مسجد پہنچے۔ وہاں جا کر عجب عالم دیکھا۔ جگہ جگہ حلقة بنائے لوگ بیٹھے ہیں۔ کہیں قرآن شریف کے ذور ہو رہے ہیں۔ رات کے قرآن سنانے والے خفاظ آپس میں ایک دوسرے کو قرآن سنارہ ہے ہیں۔ کہیں مسائل دین پر حنفی گو ہو رہتی ہے۔ دو عالم کسی فقہی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور بیسوں آدمی اردو گرد بیٹھے مزے سے ٹن رہے ہیں۔ کسی جگہ تو چڑھا اور مراقبے کا حلقہ ہے۔ کہیں کوئی صاحب و ظائف میں مشغول ہیں۔ الغرض مسجد میں چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔

کُل جَدِيدٌ لَّذِيْدٌ۔ ^(۱) مرزا کو یہ نظارہ نہایت پسند آیا اور وقت بہت لطف سے کٹ گیا۔ اتنے میں افطار کا وقت قریب آیا۔

(۱) ہرچیز مزے دار معلوم ہوتی ہے۔

سیکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطار یا ان تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مکلف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے تاکہ روزہ داروں میں افطاری تقسیم کی جائے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی تمام بیگمات اور شہر کے سب امرا علیحدہ سے افطاری کے سامان بھیجتے تھے، اس لیے ان خوانوں کی گنتی سیکڑوں تک پہنچ جاتی تھی۔ چوں کہ ہر امیر کوشش کرتا تھا کہ اس کا سامان افطاری دوسروں سے بڑھ کر رہے، اس لیے ریشمی رنگ برنگ کے خوان پوش اور ان پر مقیمتی جھال ریں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی تھیں اور مسجد میں ان کی عجائب آرائش ہو جاتی تھی۔

مرزا کے دل پر اس دینی چرچے اور شان و شوکت نے بڑا اثر ڈالا اور اب وہ برا بر روزانہ مسجد میں آنے لگے۔ گھروں میں وہ دیکھتے کہ سیکڑوں فقراء کو سحری اور اول شب کا کھانا روزانہ شہر کی خانقاہوں اور مسجدوں میں بھجوایا جاتا تھا، یہ دن ان کے گھر میں بڑی برکت اور چہل پہل کے معلوم ہوتے تھے۔

مرزا سیم کے ایک بھانجے مرزا شہزادہ عمری کے سبب اکثر اپنے ماموں کی محبت میں بے تکلف شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب و خیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیر وزبر ہو گئی۔ قلعہ بر باد کردیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں مل گئیں۔ ان کے گھر اکھڑ گئے۔ ان کی بیگمات ماما گیری کرنے لگیں اور مسلمانوں کی سب شان و شوکت تاراج ہو گئی۔ اس کے بعد ایک دفعہ رمضان شریف کے مہینے میں جامع مسجد جانے کا اتفاق ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جگہ جگہ چوٹھے بننے ہوئے ہیں۔ سپاہی روٹیاں پکارہے ہیں۔ گھوڑوں کے دانے دلے جا رہے ہیں۔ گھاس کے انبار لگے ہوئے ہیں اور شاہجهہاں کی خوب صورت اور بے مثل مسجد اصطببل نظر آتی ہے اور پھر جب مسجد و اگز اشت ہو گئی اور سرکار نے اس کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو رمضان ہی کے مہینے میں پھر جانا ہوا۔ دیکھا کہ چند مسلمان میلے کچلے پیوند لگے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں۔ دو چار قرآن شریف کا دوڑ کر رہے ہیں اور کچھ اسی پریشان حالی میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ افطاری کے وقت چند آدمیوں نے بھجوریں اور دال سیخو بانت دیے۔ کسی نے ترکاری کے قتلے تقسیم کر دیے۔ نہ وہ اگلا سامان، نہ وہ اگلی سی چہل پہل، نہ وہ پہلی سی شان و شوکت۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ بیچارے فلک کے مارے چند لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد آج کل کا زمانہ بھی دیکھا جب کہ مسلمان چاروں طرف سے دب گئے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان تو مسجد میں نظر ہی کم آتے ہیں۔ غریب غرباً آئے تو ان سے رونق کیا خاک ہو سکتی ہے۔ پھر بھی غنیمت ہے کہ مسجد آباد ہے۔ اگر مسلمانوں کے افلس کا یہی عالم رہا تو آئندہ خبر نہیں کیا نوبت آئے۔

مرزا شہزادہ زور کی یاتوں میں بڑا درد اور اثر تھا۔ ایک دن میں نے ان سے غدر کا قصہ اور تباہی کا فسانہ سننا چاہا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اس کے بیان کرنے میں عذر و مجبوری ظاہر کرنے لگے، لیکن جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو اپنی در دنماک کہانی اس طرح سنائی: جب انگریزی توپوں نے، کر چوں اور سلنگیوں نے، چکماہ تؤڑ جوڑ نے، ہمارے ہاتھ سے تکوار چھین لی، تاج سر سے اُتار لیا، تخت پر قبضہ کر لیا، شہر میں آتش ناک گویوں کا مینہ برس چکا، سات پردوں میں رہنے والیاں بے چادر ہو کر بازار میں اپنے وارثوں کی ترپتی ہوئی لاشوں کو دیکھنے نکل آئیں، چھوٹے بن باپ کے بچے ابا ابا پاکارتے ہوئے بے یار و مددگار پھر نے لگے، حضور ﷺ بنی جن پر ہم سب کا سہارا تھا، قلعہ چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ اس وقت میں نے بھی اپنی بوڑھی والدہ، کم سب سی بہن اور حاملہ بیوی کو ساتھ لے کر اور اجزے قافلے کا

سالار بن کر گھر سے گوچ کیا۔

ہم لوگ دو رتحوں میں سوار تھے۔ سیدھے نازی آباد کا رخ کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ راستہ انگریزی لشکر کی جولان گاہ بنا ہوا ہے، اس لیے شاہدرہ سے واپس ہو کر قطب صاحب چلے اور وہاں پہنچ کر رات کو آرام کیا۔ اس کے بعد صبح آگے روانہ ہوئے۔ چھترپور کے قریب گوجروں نے حملہ کیا اور سب سامان لوٹ لیا مگر اتنی مہربانی کی کہ ہم کو زندہ چھوڑ دیا۔ وہ لق و دق جنگل، تین عورتوں کا ساتھ اور عورتیں بھی کیسی! ایک بڑھاپے سے لا چار، دو قدم چلانا دو بھر۔ دوسری بیمار اور حاملہ۔ تیسرا دس برس کی نادان لڑکی۔ عورتیں روئی تھیں اور بین کر کر کے روئی تھیں۔ میرا کیجہ ان کے میں سے پہنچا جاتا تھا۔ والدہ کہتی تھیں: الہی ہم کہاں جائیں۔ کس کا سہارا ڈھونڈیں۔ ہمارا تاج وخت تو اُنکے گیا، ٹوٹوٹا بوریا اور امن کی جگہ تو دے۔ اس بیمار پیٹ والی کو کہاں لے کر بیٹھوں؟ اس معصوم بچی کو کس کے حوالے کروں؟ جنگل کے درخت بھی ہمارے دشمن ہیں۔ کہیں سایہ نظر نہیں آتا۔ بہن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سبھی ہوئی کھڑی تھی اور ہم سب کا منہٹکتی تھی۔ مجھ کو اس کی معصومانہ بے کسی پر بڑا ترس آتا تھا۔ آخر مجبوراً میں نے عورتوں کو دلاسا دیا اور آگے چلنے کی ہمت بندھائی۔ گاؤں سامنے نظر آتا تھا۔ غریب عورتوں نے چلنے شروع کیا۔ والدہ صاحبہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی تھیں اور سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھیں اور جب وہ یہ کہتیں: "القدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جوتا جوروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کر دیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔ ہم چنگیز کی نسل ہیں جس کی تلوار سے زمین کا پتی تھی۔ ہم تیمور کی اولاد ہیں جو ملکوں کا اور شہریاروں کا شاہ تھا۔ ہم شاہجہاں کے گھروالے ہیں جس نے ایک قبر پر جواہر نگار بہار دکھاوی اور دنیا میں بے نظیر مسجد و بیلی کے اندر بنا دی۔ ہم ہندوستان کے شہنشاہ کے کنبہ میں ہیں۔ ہم عزت والے تھے۔ زمین میں ہمیں کیوں نہ کانا نہیں ملتا؟ وہ کیوں سرکشی کرتی ہے؟ آج ہم پر مصیبت ہے۔ آج ہم پر آسمان روتا ہے۔" تو بدن کے روگئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ القصہ بہ ہزار وقت و دشواری گرتے پڑتے گاؤں میں پہنچے۔ یہ گاؤں مسلمان میواتیوں کا تھا۔ انہوں نے ہماری خاطر کی اور اپنی چوپاڑ میں ہم کو ٹھہرایا۔

کچھ روز تو ان مسلمان گنواروں نے ہمارے کھانے پینے کی خبر کی اور چوپاڑ میں ہم کو ٹھہرائے رکھا، لیکن کب تک یہ بارا محسکتے تھے۔ اُکتا گئے اور ایک دن مجھ سے کہنے لگے: "میاں جی! چوپاڑ میں ایک برات آنے والی ہے۔ ٹو دوسرے چھپر میں چلا جا اور رات دن شھالی (بے کار) بیٹھے کیا کرے ہے۔ کچھ کام کیوں نہیں کرتا؟" میں نے کہا: "بھائی! جہاں تم کھو گے وہیں جا پڑیں گے۔ ہمیں چوپاڑ میں رہنے کی ہوں نہیں ہے۔ جب فلک نے عالی شان محل چھین لیے تو اس کچے مکان پر ہم کیا جند کریں گے اور رہی کام کرنے کی بات، سو میرا جی تو خود گھبرا تا ہے، خالی بیٹھے بیٹھے طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ مجھ کو کوئی کام بتاؤ، ہو سکے گا تو آنکھوں سے کروں گا۔"

ان کا چودھری بولا: "ہم نے کے بیرا (ہمیں کیا خبر) کر تم سے کام (کیا کام) کر سکے ہے۔" میں نے جواب دیا، "میں سپاہی زادہ ہوں۔ تین و تین گل چلانا میرا ہنر ہے، اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں جانتا۔" گنوار بنس کر کہنے لگے، ن بابا یہاں توہل چلانا ہو گا۔ گھاس کھو دنی پڑے گی۔ ہم نے تلوار کے ہنر کیا کرنے ہیں۔ گنوار کے اس جواب سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور جواب دیا: "بھائیو! مجھ کو توہل چلانا اور گھاس کھو دنی نہیں آتی۔" مجھ کو رو تاد لیکھ کہ گنواروں کو رحم آگیا اور بولے: "اچھا! تو ہمارے کھیت کی رکھوالی کیا کر اور تیری عورتیں ہمارے گاؤں کے کپڑے سی دیا کریں۔ فصل پر تجھ کو اتنا ج دے دیا کریں گے جو تجھ کو برس دن کو کافی ہو گا۔"

چنانچہ بھی ہوا کہ میں سارا دن کھیت پر جانور اڑایا کرتا تھا اور گھر میں کپڑے سستی تھیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بھادوں کا مہینا آیا اور گاؤں میں سب کو بخار آنے لگا۔ میری اہمیت اور بہن کو بھی بخار نے آن دبا�ا۔ وہ گاؤں، وہاں دوا اور حکیم کا کیا ذکر، خود لوٹ پوٹ کر اپنے ہو جاتے ہیں، مگر تم کو دو گاؤں کی عادت تھی۔ سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ اسی حالت میں ایک دن اس زور کی بارش ہوئی کہ جنگل کا نالہ چڑھا آیا اور گاؤں میں کمر کمر پانی ہو گیا۔ گاؤں والے تو اس کے عادی تھے لیکن ہماری حالت اس طوفان کے سبب مرنسے بدتر ہو گئی۔ چھوٹ کے پانی ایک دفعہ ہی رات کے وقت گھس آیا تھا، اس لیے ہماری عورتوں کی چار پائیاں بالکل ہی غرق آب ہو گئیں اور عورتیں چھینیں مارنے لگیں۔ آخر بڑی مشکل سے چھپر کی بلیوں میں دو چار پائیاں آڑا کر عورتوں کو ان پر بٹھایا۔ پانی گھنٹا بھر میں اُتر گیا مگر غضب یہ ہوا کہ کھانے کا اناج اور اوڑھنے بچھانے کے کپڑے ترک گیا۔ پچھلی رات میری بیوی کے درد نہ شروع ہوا اور ساتھ ہی جاڑے سے بخار بھی لا یا۔ اس وقت کی پریشانی بس بیان کرنے کے قابل نہیں۔ اندھیرا گھپل، مینھ کی جھٹپتی، کپڑے سب گیلے۔ آگ کا سامان ناممکن۔ حیران تھے، الہی! کیا انتظام کیا جائے؟ درد بڑھنا شروع ہوا اور مریضہ کی حالت نہایت ابتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ تڑپنے لگی اور تڑپتے تڑپتے جان دے دی۔ بچہ پیٹ ہی میں رہا۔ چھوٹ کے وہ ساری عمر ناز و نعمت میں پلی تھیں، غدر کی مصیبتیں ہی ان کی ہلاکت کے لیے کافی تھیں۔ خیر اس وقت تو جان بچ گئی، مگر یہ بعد کا جھٹکا ایسا بڑا لگا کہ جان لے کر گیا۔ صح ہو گئی۔ گاؤں والوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے کفن وغیرہ منگوادیا اور دوپہر تک یہ محتاج شہزادی گور غریبیاں میں ہمیشہ کے لیے جاسوئی۔

اب ہم کو کھانے کی فکر ہوئی کیوں کہ اناج سب بھیگ کر سر گیا تھا۔ گاؤں والوں سے بھی مانگتے ہوئے لحاظ آتا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح اس مصیبت میں گرفتار تھے، تاہم بے چارے گاؤں کے چودھری کو خود ہی خیال ہوا اور اس نے قطب صاحب سے ایک روپے کا آٹا مانگوا دیا۔ وہ آٹا نصف کے قریب خرچ ہوا ہوگا کہ رمضان شریف کا چاند نظر آیا۔ والدہ صاحبہ کا دل بہت نازک تھا۔ وہ ہر وقت گزشتہ زمانے کو یاد کیا کرتی تھیں۔ رمضان کا چاند دیکھ کر انہوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور چپ ہو گئیں۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو پچھلا زمانہ یاد آ رہا ہے۔ تسلی کی باتیں کرنے لگا، جس سے ان کو کچھ ڈھارس ہو گئی۔

چار پانچ دن تو آرام سے گزر گئے، مگر جب آٹا ختم ہو چکا تو بڑی مشکل درپیش ہوئی۔ سوال کرتے ہوئے شرم آتی تھی اور پاس ایک کوڑی نہ تھی۔ شام کو پانی سے روزہ کھولا۔ بھوک کے مارے کی وجہ منہ کو آتا تھا۔ والدہ صاحبہ کی عادت تھی کہ اس قسم کی تکلیف کے وقت بیان کر کے بہت رویا کرتی تھیں، مگر آج بڑے اطمینان سے خاموش تھیں۔ ان کی خاموشی و اطمینان سے میرے دل کو بھی سہارا ہوا اور جھوٹی بہن کو جس کے چہرے پر بھوک کے مارے ہوا یا اُڑ رہی تھیں، دل اسادینے لگا۔ وہ مقصوم بھی میرے سمجھانے پر نہ حال ہو کر چار پائی پر جا پڑی اور تھوڑی دیر میں سو گئی۔ بھوک میں نیند کہاں آتی ہے، بس ایک غوطہ ساتھا۔ اس غوطہ اور ناتوانی کی حالت میں سحری کا وقت آگیا۔ والدہ صاحبہ اٹھیں اور تھجد کی نماز کے بعد جن دردناک الفاظ میں انہوں نے دعا مانگی، ان کا نقل کرنا محال ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بارگاہِ الہی میں عرض کیا:

”ہم نے ایسا کیا قصور کیا ہے جس کی سزا یہ مل رہی ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہمارے گھر سے سیکڑوں محتاجوں کو کھانا ملتا تھا اور

آج ہم خود دانے دانے کو محتاج ہیں اور روزہ پر روزہ رکھ رہے ہیں۔ خداوند! اگر ہم سے قصور ہوا ہے تو اس مخصوص بھی نے کیا خطہ کی جس کے منہ میں کل سے ایک کھلیل اڑ کر نہیں گئی۔“

دوسرادن بھی یوں ہی گزر گیا اور فاقہ میں روزہ در روزہ رکھا۔ شام کے قریب چودھری کا آدمی دودھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا: ”آج ہمارے ہاں نیاز تھی۔ یہ اس کا کھانا ہے اور یہ پانچ روپیا زکوٰۃ کے ہیں۔ ہر سال بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری دیا کرتے ہیں مگر اب کے نقد دے دیا ہے۔“

یہ کھانا اور روپے مجھ کو ایسی نعمت معلوم ہوئے گویا بادشاہت مل گئی۔ خوشی خوشی والدہ کے آگے سارا قصہ کہا۔ کہتا جاتا تھا اور خدا کا شکران بھیجتا جاتا تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ گردشِ فلک نے مرد کے خیال پر تو اثر ڈال دیا لیکن عورت ذات بخوبی اپنی قدیمی غیرت داری پر قائم ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ والدہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ باوجود فاقہ کی ناتوانی کے انہوں نے تیور بدل کر کہا:

”شف ہے تیری غیرت پر۔ خیرات اور زکوٰۃ لے کر آیا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ ارے اس سے مر جانا بہتر تھا۔ اگر چہ تم مت گئے مگر ہماری حرارت نہیں میٹی۔ میدان میں نکل کر مر جانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے۔ صدقہ خوری ہمارا شیوه نہیں ہے۔“

والدہ کی ان باتوں سے مجھے پہلنا آگیا اور شرم کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھہر دے ہو گئے۔ چاہا کہ اٹھ کر یہ چیزیں واپس کر آؤں مگر والدہ نے روکا اور کہا: ”خدا ہی کوئی منظور ہے تو ہم کیا کریں۔ سب کچھ سہنا ہو گا۔“ یہ کہ کھانا رکھ لیا اور روزہ کھونے کے بعد ہم سب نے مل کر کھالیا۔ پانچ روپیا کا آٹا منگوایا گیا جس سے رمضان خیر و خوبی سے بسر ہو گیا۔ اس کے بعد پچھے مہینے گاؤں میں رہے۔ پھر دہلی چلے آئے۔ یہاں آ کر والدہ کا انتقال ہو گیا اور بہن کی شادی کر دی۔ انگریزی سرکار نے میری بھی پانچ روپے ماہوار پشن مقرر کر دی جس پر آج کل زندگی کا انحصار ہے۔

(بیگمات کے آنسو)



مشق

1۔ مختصر جواب دیں:

(الف) ”جب دہلی زندہ تھی“ سے کیا مراد ہے؟
(ب) ”خیر باشد! مزاجِ عالیٰ مکمل رپاتا ہوں۔“ اس جملے کی وضاحت کریں۔

(ج) مرزا سلیم بہادر کون تھے؟

(د) جامع مسجد میں مرزا صاحب نے کیا منظر دیکھا؟

(و) مرزا صاحب روزانہ مسجد کیوں آنے لگے؟

2۔ درست جواب کی نشان دہی کریں۔

(i) سبق ”فاقہ میں روزہ“، خواجہ حسن نظامی کی کس تصنیف سے ماخوذ ہے؟

(الف) غدرِ دہلی کے افسانے (ب) سی پارہ دل (ج) بیگمات کے آنسو (د) مضامینِ حسن نظامی

(ii) سبق ”فاقہ میں روزہ“ اصنافِ ادب کے لحاظ سے ہے:

(الف) ناول (ب) ڈراما (ج) داستان (د) افسانہ

(iii) مرزا شہزادور شہزادے میں ابوظفر بہادر شاہ کے نام:

(الف) سچیجہ (ب) بھائی (ج) بھائی (د) رضائی بھائی

(iv) متن کے مطابق جامع مسجدِ دہلی بنوائی تھی:

(الف) شاہجہان نے (ب) اورنگزیب عالمگیر نے (ج) ابوظفر بہادر شاہ نے (د) نصیر الدین ہمایوں نے

(v) قلعہ چھوڑتے وقت مرزا شہزادور کے ساتھ تھی:

(الف) ماں، بہن اور بیوی (ب) بیٹی، بہن اور بیوی (ج) ماں، بیٹی اور بیوی (د) ماں، بہن اور بیٹی

3۔ متن کو مددِ نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) ہم لوگ دو... میں سوار تھے۔

(ب) حضور ظلیٰ سبحانی جن پر ہم سب کا سہارا تھا،... چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

(ج) تقدیر ان کوٹھوکریں کھلواتی ہے جو... کے ٹھوکریں مارتے تھے۔

(د) وہ معصوم بھی میرے سمجھانے پر... ہو کر چار پائی پر جا پڑی اور تھوڑی دیر میں سو گئی۔

(و) اس غوطہ اور ناتوانی کی حالت میں... کا وقت آگیا۔

(و) اس کے بعد پچھے مہینے گاؤں میں رہے، پھر... چلے آئے۔

- ۴۔ طلبہ سبق "فاقہ میں روزہ" کے متن کو غور سے پڑھیں اور اسے مختصر گر جامع انداز میں ایک دوسرے کو سنائیں۔
- ۵۔ طلبہ جماعت دہم تک مغلیہ حکمرانوں کے بارے میں پڑھ جکے ہیں۔ انھیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے احوال بھی از بریں۔ اپنی سابقہ واقفیت کو مد نظر رکھتے ہوئے بہادر شاہ ظفر کی حکومت کے زوال کے اسباب اور نتائج ایک دوسرے کو بتائیں۔
- ۶۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں:

بدعنوی انگریزی زبان کے لفظ 'کرپشن' کا اردو ترجمہ ہے۔ ہر وہ برائی جو معاشرے میں کسی بھی قسم کے فساد کا باعث بنے "کرپشن" کہلاتی ہے۔ خود خوری، رشوت تباہی، سفارش، وعدہ خلافی، جھوٹ، ملاوٹ، تعصب، اقرباً پروری، بد دیانتی، ہر طرح کی چوری اور دیگر تمام سماجی برا بیاں کرپشن ہی کے ذیل میں آتی ہیں۔ اگر ہم ایک خوش حال، منظم اور پ्रامن معاشرہ چاہتے ہیں تو ان تمام برا بیوں سے نجات ناگزیر ہے۔ وینں اسلام نہ صرف تمام قسم کی کرپشن کو ختم کرنے کی تاکید کرتا ہے بلکہ حضور ﷺ کی سیرت اقدس ایسے تمام پہلوؤں سے بھی ہوتی ہے جس کی پیروی کر کے تمام معاشرتی برا بیوں سے بچا جاسکتا ہے اور معاشرے کو خوش حال اور مشائی بنایا جاسکتا ہے۔ انساد بد عنوی کے لیے لازم ہے کہ تعلیم کو عام کر کے معاشرتی شعور کو بیدار کیا جائے۔ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے امتیاز کو لوگوں کے اذہان و قلوب میں بسا یا جائے۔ اس کے لیے میڈیا کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم تھے اور پکے مسلمان بن جائیں اور حب الوطنی کے تقاضوں کو پورا کرنے لگیں تو یقیناً ہمارا معاشرہ اور ہمارا ملک تمام برا بیوں سے پاک ہو سکتا ہے۔

سوالات:

- بد عنوی کے لیے انگریزی میں کون سا لفظ مستعمل ہے؟
- عبارت کے مطابق کون کون سی سماجی برا بیاں بد عنوی میں شامل ہیں؟
- اسلامی تناظر میں معاشرے کو خوش حال اور مشائی کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟
- بد عنوی کی روک تھام کے لیے معاشرتی شعور کیسے بیدار ہو گا؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

زبان شناسی:

مبتدا اور خبر: اردو جملے کے دو اجزاء ہوتے ہیں:

- پہلے جزو میں کسی شخص یا شے کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے جزو میں اس شخص یا شے کے بارے میں کچھ بتایا جاتا ہے۔ قواعد کی رو سے جملے کے اس پہلے جزو کو مبتدا اور دوسرے جزو کو خبر کہتے ہیں۔ درج ذیل مثالوں میں جملے کے اجزاء کی وضاحت پیش کی جا رہی ہے:
- (الف) بھیڑ اور بھیڑ یا، ایک گھاث پانی پیتے ہیں۔ مبتدا: بھیڑ اور بھیڑ یا
- (ب) میں اور تم مل کر جائیں گے۔ مبتدا: میں اور تم
- (ج) اچھا آدمی، اچھی بات کہے گا۔ مبتدا: اچھا آدمی
- ۷۔ اس سبق میں سے کوئی سے پانچ جملے منتخب کریں اور مبتدا اور خبر کے حوالے سے ان کے اجزاء بیان کریں۔

۸۔ درج ذیل ترکیب کی وضاحت جملوں میں استعمال کے ذریعے کریں:

خواہ نخواہ، خوان پوش، لپو وہب، بے تکلف، بے یار و مددگار، لق و دق، بہ نظر دقت و دشواری، ناز و نعمت

۹۔ درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:

ہاتھ جوڑنا، دل میں گھر کرنا، لٹکڑے لکڑے کر دینا،

حالت غیر ہونا، دل میں بدی آنا، سٹائے میں آ جانا

۱۰۔ سبق ”فاقہ میں روزہ“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

• خواجہ حسن نظامی کی کتاب ”بیگمات کے آنسو“ کا مطالعہ کریں۔

• ”بیگمات کے آنسو“ کے مجموعے میں سے ”بنت بہادر شاہ“ کا مطالعہ کریں اور اس پر باہمی گفتگو کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

• طلبہ کو خواجہ حسن نظامی کی شخصیت اور فن سے متعارف کرائیں۔

• طلبہ کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔

• طلبہ کو مشقی سوالات اور سرگرمیوں کے حوالے سے رہنمائی فراہم کریں۔





ڈاکٹر ممتاز منگلوری

(۷۔۱۹۳۴ء۔۲۰۱۱ء)

ڈاکٹر ممتاز منگلوری تحصیل وضع مانسہرہ کے ایک گاؤں منگلور میں پیدا ہوئے۔ شیروان ہائی سکول سے میڑک اور گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد سے بی۔ اے کیا۔ پشاور یونیورسٹی سے آزرز اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۶۲ء میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں لیکچر مقرر ہو گئے۔ اسی دوران میں مغربی پاکستان اردو اکیڈمی میں ریسرچ آفیسر کے طور پر بھی کام کیا۔ ۱۹۶۶ء۔ ۱۹۶۸ء کے دوران میں پی ایچ۔ ڈی کی اور ایم۔ اے تاریخ کا امتحان بھی پاس کیا۔ ۱۹۶۸ء میں مغربی پاکستان نیکست بک بورڈ میں سمجھیت پیشہ مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں NWFP نیکست بک بورڈ میں تعیناتی ہو گئی۔ ۱۹۷۷ء میں ملازمت سے سبد و شہزاد ہوئے تو عالمی بینک کے نادران ایجوکیشن پر اجیکٹ آزاد جموں و کشمیر میں کنسائنس کے طور پر فرائض انجام دیے۔

ڈاکٹر ممتاز منگلوری اردو کے معروف مصنف، معلم اور پرنسپل پنجاب یونیورسٹی اور پنسل کالج ڈاکٹر سید عبداللہ کے ہم وطن ہونے کے ناتے ان کے بہت قریب تھے اور انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اردو کی ترویج و اشاعت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ انہوں نے اپنی ذاتی کاؤش سے منگلور میں ایک لاہبریری قائم کی اور وصیت کی کہ ہزارہ یونیورسٹی میں جب بھی اردو کا شعبہ قائم ہو تو میری لاہبریری کی تمام کتابیں شعبۂ اردو کو دے دی جائیں کیوں کہ اس ذخیرۂ کتب میں صرف اردو زبان و ادب کی کتابیں ہی جمع کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر ممتاز منگلوری نے عبدالحیم شری کے ناول ”ملک العزیز ورجینا“، کامتن مرتب کیا اور حواشی کے علاوہ ایک تنقیدی مقدمہ بھی تحریر کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ”فردوس بریں“ اور ”اندر سجا“، وغیرہ جیسے ناولوں اور ڈراموں کو ترتیب دینے کے ساتھ ساتھ ان کے مبسوط مقدمے بھی لکھے۔

ڈاکٹر ممتاز منگلوری کی تصانیف میں ”طیفِ نہر“ اور ”طیفِ غزل“ کے علاوہ ”پاکستان میں اردو“ کے سرکاری قاعدے، ”ڈاکٹر سید عبداللہ کی اردو خدمات“، ”شر کے تاریخی ناول اور ان کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ“، ”متاع لوح و قلم“، ”متاع نقد و نظر“ اور مختصر تاریخ زبان و ادب ہند کو وغیرہ شامل ہیں۔



پاکستانی زبانیں اور ان کا باہمی رشتہ

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو اردو زبان کی مختصر تاریخ سے روشناس کرانا۔
- اردو زبان کے لسانیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالنا۔
- طلبہ کو اردو زبان کی وسعت اور مختلف زبانوں، بولیوں کے الفاظ کو اپنے اندر سموں کی صلاحیت کی مثالیں دینا۔
- طلبہ کو یہ حقیقت ذہن نشین کرانا کہ اردو نہ صرف میں الصوبائی رابطے کی زبان ہے بلکہ وطنِ عزیز پاکستان کی اساس بھی ہے۔

پاکستان میں چھوٹی بڑی کئی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان میں وطنِ عزیز کے چاروں صوبوں میں بولی جانے والی زبانوں کے علاوہ شمالی علاقوں اور آزاد کشمیر کی زبانیں بھی شامل ہیں۔ یہ زبانیں اپنے اپنے علاقوں کے عوام کی امنگوں، آرزوؤں، جذبات، احساسات اور طریق تمدن و معاشرت کی آئینہ دار ہیں۔ ان میں لوک اور تحریری ادب کا بیش بہاذ خیرہ موجود ہے جو جمومی طور پر اس تہذیب و ثقافت کے خدوخال کو نمایاں کرتا ہے جسے ہم ”پاکستانی تہذیب و ثقافت“ کہتے ہیں۔

یہ زبانیں مخصوص علاقوں کے تعلق سے بظاہر ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو ان میں بڑے گہرے تاریخی، تمدنی اور روحانی رشتے قائم ہیں۔ ان زبانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کی نشوونما جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کے دور اقدار کی مر ہوں منت ہے۔ ان کے ذخیرہ الفاظ، رسم الخط، روزمرہ و محاورات، تلمیحات و ضرب الامثال اور روایات و حکایات سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ یہ زبانیں اسلامی شخص رکھتی ہیں۔ ان زبانوں کے شعروادب نے صوفیائے کرام کے فیوض و برکات کے سامنے میں پرورش پائی اور یوں ان زبانوں نے اختیارات و مساوات، غیرت و حمیت اور باہمی مہر و محبت کی اعلیٰ انسانی اقدار کی پاسداری کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ان مسلمان مجاہدوں کے نعروں کی گونج اور تلواروں کی جھنکار بھی سنائی دیتی ہے جن کی مجاہدان سرگرمیوں کے نتیجے میں ہند میں اسلام کا نور پھیلا۔ پاکستانی زبانوں میں تخلیق ہونے والا ادب تمام پاکستانیوں کی مشترکہ میراث ہے۔

یوں تو پاکستان میں بولی جانے والی ہر زبان اہمیت کی حامل ہے لیکن اپنے دائرۂ اثر کے اعتبار سے پشتو، پنجابی، سندھی، بلوچی، ہندکو، سراںگی اور کشمیری زبانیں یہاں کی بڑی زبانوں میں شمار ہوتی ہیں۔ شمالی علاقوں اور چترال کی زبانیں بھی قابل قدر ادبی سرمایہ رکھتی ہیں۔ پاکستانی زبانوں میں پشتو، پنجابی، سندھی اور بلوچی نہ صرف یہ کہ پاکستانی آبادی کے وسیع حصے کی زبانیں ہیں بلکہ ان کا قدیم و جدید ادب بھی معیار و مقدار کے لحاظ سے خاصاً قیع ہے۔ سندھ کے شاہ عبداللطیف بہٹائی اور سچل سرمست، پنجاب کے سلطان بابو، وارث شاہ اور بلخے شاہ، سرحد کے خوشحال خان خنک اور رحمان بابا، بلوچستان کے جام درک اور سمت توکلی پاکستانی ادب کی وہ عظیم شخصیات ہیں جن کے شاعران

کارناموں پر ہر پاکستانی کو بجا طور پر فخر ہے۔

پاکستان میں بولی جانے والی زبانیں بیشتر ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں ہیں۔ ان کا تعلق زبانوں کے اس وسیع سلسلے سے ہے جو اصطلاح میں ”ہند آریائی زبانیں“ کہلاتی ہیں۔ جغرافیائی صورت حال اور مروزہ زمانہ کے باعث ان میں تغیرات پیدا ہوتے گئے اور ظاہری بیان میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کے دور میں ان زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں بے حد اضافہ ہوا اور اسلامی اثرات کے تحت ان کے بنیادی مزاج میں نمایاں تبدیلیاں ظہور میں آئیں۔ پاکستان کی یہ زبانیں باہم گھرے تاریخی رشتہوں میں پیوست ہیں۔ ان کے ماضی کی طرح ان کا حال بھی انھیں ایک دوسرے سے وابستہ کیے ہوئے ہے۔ ہم علاقائی طور پر سرحدی ہوں یا پنجابی، سندھی ہوں یا بلوج یا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم سب پاکستانی ہیں۔ یہ رشتہ ہمارے تمام نسلی، علاقائی اور لسانی رشتہوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس رشتے سے ہم پرواجب ہے کہ ہم پاکستان کی سبھی زبانوں کا احترام کریں، انھیں اپنی زبانیں سمجھیں اور انھیں ایک دوسرے سے قریب لانے میں کوشش ہوں۔ ظاہر ہے کہ ہم یہ کوشش زبان ہی کے ذریعے کر سکتے ہیں اور وہ ہماری قومی زبان اردو ہے۔

اُردو ہی پاکستان کی وہ واحد زبان ہے جو ہمارے کسی ایک علاقے کی زبان نہ ہوتے ہوئے بھی سبھی کی زبان ہے۔ پاکستان کے تمام علاقوں میں یکساں تصحیحی، بولی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ اس کے علمی و ادبی سرمائے میں پاکستان کے ہر علاقے کے باشندوں نے مقدور بھر اضافہ کیا ہے۔ کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں اردو کے شاعر اور ادیب موجود نہ ہوں۔ اس زبان کی بہم گیری اور ہر دلعزیزی کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے ہر صوبے کا دعویٰ ہے کہ اردو اس کے ہاں پیدا ہوئی۔ اس ضمن میں ہمارے محققین نے بڑا قابلِ قدر کام کیا ہے۔ ”پنجاب میں اردو“، ”سنڌ میں اردو“، ”سرحد میں اردو“ اور ”بلوجستان میں اردو“ کے عنوانات کے تحت متعدد کتابیں اور طویل مضامین تحریر ہوئے جن سے اردو زبان کی تاریخ کے باب میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس طرح مقامی زبانوں اور اردو کے لسانی روابط پر بھی خاصی تحقیق ہو چکی ہے۔

اُردو ادب نے دیگر پاکستانی زبانوں کے ادب پر بھی گھرے اثرات ڈالے۔ ان زبانوں کی جدید نشر و نظم میں اردو ادب سے خاصاً استفادہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان زبانوں کا ادب، اردو ادب کو بھی متاثر کر رہا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان زبانوں کے ادب کا ایک بڑا حصہ اُردو میں منتقل ہو چکا ہے بلکہ اردو کے ذخیرہ الفاظ میں ان زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے خوش گوار اضافہ بھی ہوا ہے۔ اُردو میں اب وہ لب و لہجہ پیدا ہو رہا ہے جسے ہم غالباً پاکستانی لب و لہجہ کہ سکتے ہیں۔

آئین کی رو سے اردو پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان ہے۔ اس زبان نے جہاں تخلیق پاکستان میں اہم کردار ادا کیا ہے وہاں یہ وطن عزیز کے مختلف علاقوں کے ماہین رابطے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔ یوں یہ زبان وحدت پاکستان کی صامن بھی قرار پائی ہے۔

(متاع نقد و نظر)



مشق

1۔ مختصر جواب دیں۔

- (الف) پاکستانی تہذیب و ثقافت سے کیا مراد ہے؟
- (ب) پاکستان کے مختلف علاقوں کے مانیں رابطے کا سب سے بڑا ذریعہ کون سی زبان ہے؟
- (ج) ”اس زبان کی ہمہ گیری و ہر دلعزیزی کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے ہر صوبے کو دعویٰ ہے کہ اردو اس کے ہاں پیدا ہوئی۔“ اس جملے کی تاریخی اور لسانی حیثیت کیا ہے؟
- (د) پاکستان میں بولی جانے والی زبانوں کے وسیع سلسلے کو اصطلاح میں کیا کہتے ہیں؟
- (و) پاکستان میں چھوٹی بڑی کئی زبانیں بولی جاتی ہیں، یہ کس امر کی آئینہ دار ہیں؟

2۔ درست جواب کی نشان دہی کریں۔

(i) سبق کے متن کے مطابق پاکستانی زبانوں میں باہمی رشتہ قائم ہیں:

(الف) مذہبی، حمدہ نی اور روحانی (ب) تاریخی، تمدنی اور روحانی

(ج) تاریخی، تمدنی اور علاقائی

(ii) شاہ عبداللطیف بھٹائی کا تعلق پاکستان کے صوبے سے ہے:

(الف) خیبر پختونخوا (ب) پنجاب (ج) بلوچستان (د) سندھ

(iii) جنوبی ایشیا کی زبانوں کی نشوونما کس کے دورِ اقتدار کی مر ہوئی منت ہے؟

(الف) سکھوں کے (ب) ہندوؤں کے (ج) مسلمانوں کے (د) انگریزوں کے

(iv) پاکستانی زبانوں میں تخلیق ہونے والا ادب تمام پاکستانیوں کی مشترک ہے:

(الف) جاگیر (ب) میراث (ج) ثقافت (د) یادگار

(v) کون سی زبان وحدت پاکستان کی ضامن بھی قرار پائی ہے؟

(الف) اردو (ب) سندھی (ج) بلوچی (د) پنجابی

3۔ متن کو مدد نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) پاکستانی زبانوں میں لوک اور تحریری ادب کا بیش بہا۔۔۔ موجود ہے۔

(ب) شمالی علاقوں اور چترال کی زبانیں بھی قابل قدر۔۔۔ رکھتی ہیں۔

(ج) پاکستانی ادب کی عظیم شخصیات کے شاعرانہ کارناموں پر ہر۔۔۔ کو بجا طور پر فخر ہے۔

- (د) پاکستان کی یہ زبانیں باہم گھرے تاریخی--- میں پیوست ہیں۔
- (ه) اردو ہی پاکستان کے تمام علاقوں میں یکساں سمجھی،---، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔
- ۴۔ طلبہ پانچ پانچ جملے اپنی مقامی اور علاقائی زبان کے بولیں اور انھیں اردو زبان میں ترجمہ کر کے ایک دوسرے کو سنائیں۔
- ۵۔ سبق ”پاکستانی زبانیں اور ان کا باہمی رشتہ“ کے متن میں سے علاقائی زبانوں اور اردو کے مشترکہ مستعمل الفاظ کی نشان دہی کریں اور ایک دوسرے کو بتائیں۔

۶۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں:

حقوق و فرائض کو توازن میں رکھنا خوش حال معاشرے کی بنیاد کا ضامن ہے۔ اگر ہم کماجھ اپنے فرائض کو محنت اور خلوص کے ساتھ انعام دے رہے ہیں تو گویا ہم دوسروں کے حقوق ادا کر رہے ہوتے ہیں اور اپنے فرض کی ادائیگی کے صلے میں اپنا حق حاصل کرنے کے حق دار قرار پاتے ہیں۔ فرائض کی اقسام میں اخلاقی اور قانونی فرائض انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان فرائض کی انعام دہی سے معاشرہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر خوش حال ہو جاتا ہے۔ اپنے ذاتی مفادات کے لیے دوسروں کے حقوق پامال کرنا اخلاقی ہے ضابطگی ہے۔ کوڑا کر کٹ سر عام پھینکنا، آلو دہ پانی لگیوں، سڑکوں پر چھوڑنا اور گھروں میں شور شرا بآ کرنا ہماری ذات کے لیے تو فرحت و تسلیم کا باعث ہو سکتا ہے لیکن یہ عمل ہمسایوں اور محلے داروں کے لیے تکلیف وہ ہوتا ہے۔ ایسا عمل اختیار کرتے ہوئے ہم ایک طرف تو خود اخلاقی ہے ضابطگی کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں اور دوسری طرف انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے مرتكب بھی ہوتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کیے بغیر ہم اپنے آپ کو اچھے ماحول کا حق دار کیوں کر رکھہ رکھ سکتے ہیں۔ قانونی فرائض کی پاس داری کی صورتِ حال بھی ایسی ہی ہے۔ قوانین ایک طرف تو ریاست کی ترقی کے لیے بنتے ہیں تو دوسری طرف یہ امن و امان قائم رکھنے اور عام شہریوں کے تحفظ کے ضامن بھی ہوتے ہیں۔ جب ہم کوئی قانون شکنی کرتے ہیں تو اس کی گرفت میں آتے ہیں۔ قانونی تقاضے پورے کیے بغیر اس کی حدود کو تجاوز کر کے ناجائز مraudات حاصل کرنا قانون شکنی بھی ہے اور شہریوں کے حقوق کی پامالی بھی۔ ٹکس کی عدم ادائیگی، بجلی چوری اور رشوت ستانی اس کی مثالیں ہیں۔

سوالات:

- حقوق و فرائض کے توازن سے کیا مراد ہے؟
- کون سے فرائض انتہائی اہمیت کے حامل ہیں؟
- معاشرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر کیسے خوش حال ہوتا ہے؟
- قانون شکنی سے کیا مراد ہے؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

زبان شناسی

حروف بیان: ایسے حروف جو کوئی بات کرنے یا بات کی وضاحت کرنے کے لیے دو جملوں کے درمیان لائے جائیں، حرروف بیان

کہلاتے ہیں۔ جب دو جملوں میں سے دوسرا جملہ اپنے سے پہلے آنے والے جملے کی وضاحت کرتا ہو تو اس کے شروع میں حرف ”کہ“ لایا جاتا ہے۔ مثلاً: اُس نے کہا کہ میں ہرگز جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں کہتا ہوں کہ میری بات مان لو۔ یہاں حرف ”کہ“ حرف بیان کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

۷۔ حروف بیان کی مدد سے یائی جملے بنائیں۔

حروف تاکید: ایسے حروف جو کلام میں زور پیدا کرنے اور تاکید کے لیے استعمال کیے جائیں حروف تاکید کہلاتے ہیں۔ کلام میں جس حصے پر زور دیا جائے یا تاکید کی جائے اُسے ”موکد“ کہتے ہیں۔ حروف تاکید درج ذیل ہیں: بے شک، ہرگز، ضرور، مطلق، سراسر، کبھی، قطعی، کبھی، صرف وغیرہ۔

۸۔ حروف تاکید کی مدد سے یا نجح جملے بنائیں۔

حروفِ علّت: ایے حروف جو کسی بات کا سبب، وجہ یا باعث بیان کرنے کے لیے استعمال ہوں، حروفِ علّت کہلاتے ہیں، جیسے: تاکہ، آخر، کیون کہ، اس لیے، اس واسطے، اس باعث، لہذا، چوں کہ وغیرہ۔

۹۔ (i) درج ذیل جملوں میں سے حروف علٹ کی نشان وہی کریں:

(الف) محنت کروتا کہ کامیاب ہو جاؤ۔ (ب) چوں کہ وہ غریب ہے اس لیے فیس ادا نہیں کر سکتا۔
 (ج) مجھ پر حرم کرو آخر میں تمھارا بھائی ہوں۔ (د) میں اس لیے جاؤں گا تاکہ اس سے ملاقات ہو جائے۔
 (ه) تم نے وعدہ توڑا لہذا اب میں بھی یا بند نہیں۔

(ii) ذیل میں دی گئی عبارت غور سے پڑھیں اور حروف علّت تلاش کر کے ان کی فہرست بنائیں:
 جب تک رنگ نہ ہو پھول وجود میں نہیں آتا، اس لیے پھول کا کوئی نہ کوئی رنگ ضرور ہوتا ہے۔ لہذا صحیح آواز اور حرکت کا ایک دوسرے کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسے پھول کا رنگ سے۔ آواز حرکات یعنی زیر، زبر، پیش وغیرہ کے ساتھ رہتی ہے تاکہ اپنی شناخت قائم رکھے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی بنیاد اور ذات کے حوالے سے اپنا وجود رکھتی ہے۔ پس ہم کہ سکتے ہیں کہ حرکتیں صحیح آواز کو جوڑ کر آوازوں کا ایک نظام بناتی ہیں۔

۱۰۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباسات کی تشریح کریں اور حوالہ متن بھی درج کریں:

”اردو ادب نے دیگر یاکستانی زبانوں خالصتاً یاکستانی لب والہجہ کہ سکتے ہیں۔“

روزمرہ: اہل زبان ایک طویل عرصے سے زبان کو پڑھنے، بولنے اور لکھنے کے لیے استعمال کر رہے ہو تے ہیں، اس لیے ان کا پڑھا، بولا اور لکھا درست تصور کیا جاتا ہے۔ اہل زبان اپنے معمول کی بول چال میں جو الفاظ و تراکیب استعمال کرتے ہیں، اسے روزمرہ کہتے ہیں۔ مثلاً: آئے دن، ہر روز، تقدیر کا لکھا، تو سہ ہی بچلی وغیرہ۔

۱۱۔ روزمرہ کے لفاظ سے درج ذیل جملوں کی درستی کریں:

- (الف) وہ دن بدن کم زور ہو رہا ہے۔
(ب) دن دون کا آنا جانا قدر کھو دیتا ہے۔
(ج) اس دن اسے روز غیر حاضر ہوتا ہے۔
(د) یہڑی کی بڑی بڑی ہے۔
(و) وہ لڑکا تو گھوڑے فروخت کر کے سویا ہوا ہے۔
(ہ) ہم ہر دن سیر کو جاتے ہیں۔

۱۲۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:

آئینہ دار، بیش بہاذ خیرہ، تہذیب و ثقافت، نشوونما، مرہونِ منت
رسم الخط، مشترکہ میراث، پاکستانی ادب، صورت حال، ذخیرہ الفاظ
قومی زبان، علمی و ادبی سرمایہ، وطن عزیز، وحدت پاکستان خدوخال

۱۳۔ اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں:

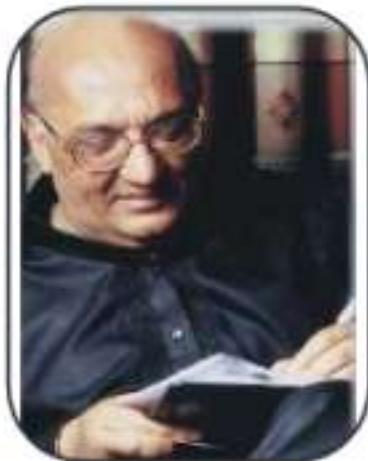
پاکستانیت، تمدن، ضرب الامثال، حمیت، تخلیق، تغیرات، فویت، قابلِ قدر، آمیزش
سرگرمی برائے طلبہ:

اردو محاورات اور روزمرہ کی چند مشہور مثالوں کی فہرست بنائیں اور جماعت میں سنائیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- طلبہ کو اردو زبان کے آغاز و ارتقا کے حوالے سے معروف نظریات سے آگاہ کریں۔
- طلبہ کو سمجھائیں کہ اردو اور علاقوائی زبانوں میں فطری طور پر قربت موجود ہے۔
- طلبہ کو بشمول حروف علّت، حروف بیان اور حروف تاکید کی قسموں کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔





امجد اسلام امجد

(۱۹۲۳ء۔۲۰۲۳ء)

امجد اسلام امجد لاہور میں پیدا ہوئے۔ مسلم ماؤنٹ ہائی سکول سے میڑک، اسلامیہ کالج، سول لائنز لاہور سے بی۔ اے کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی اور پیشل کالج، لاہور سے اردو میں ایم۔ اے کیا۔ ایم۔ اے اردو میں ان کی فرست ڈویشن اور یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن تھی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے اپنی پیشہ و رانہ زندگی کا آغاز ایم۔ اے اکالج، لاہور سے کیا جہاں ۱۹۶۸ء سے لے کر ۱۹۷۵ء تک شعبۂ اردو میں پھر رہے۔ کچھ عرصے بعد اسی ادارے میں ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۷ء تک ایسوی ایٹ پروفیسر رہے اور پھر ۱۹۹۷ء سے لے کر ریٹائرمنٹ تک چلندرن لاسپریری کمپلیکس اور اردو سائنس بورڈ، لاہور میں ڈائریکٹر جزل کی حیثیت سے وابستہ رہے۔

امجد اسلام امجد نے بطور شاعر، ڈرامانویس، سفر نامہ نگار، نقاد اور مترجم کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا لواہا منوا یا۔ خاص طور پر وہ ٹیلی ڈراما نویس کی حیثیت سے کافی معروف ہوئے۔ انھیں ۱۹۸۷ء میں تمغاۓ حسن کا رکودگی، ۱۹۹۸ء میں ستارۂ امتیاز اور ۲۰۲۳ء میں ہلال امتیاز کے اعزازات سے نواز گیا۔

اس ضمن میں انھوں نے بے شمار ڈرامے لکھے جن میں ”وارث“، ”اپنے لوگ“ اور ”بلیز“ کو عوام و خواص نے بہت پسند کیا اور انھیں بشمول چینی زبان کے کئی زبانوں میں ”ڈب“ کیا گیا۔ امجد اسلام امجد اپنے حوالے سے ایک جگہ لکھتے ہیں:

”میری زندگی کے اہم اور دل چسپ واقعات بہت سے ہیں۔ مثلاً: یہی بات اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ میں اپنی زندگی کے دوران میں کرکٹ کا کھلاڑی تھا اور اسی میدان میں نام پیدا کرنا چاہتا تھا مگر آگے چل کر میری پچان شاعری اور ڈرامائی نے۔“

ان کی اہم تصانیف میں ”بارش کی آواز“، ”شام سرائے“، ”اتنے خواب کہاں رکھوں“، ”ساتوں در“، ”برزخ“ (شعری مجموع) اور ”وارث“، ”بلیز“، ”سمندر“، ”گروش“، ”دن“، ”رات“، ”وقت“ (ڈرامے) وغیرہ شامل ہیں۔



وہلیز

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو فنِ ڈرام انگاری سے آشنا کرنا۔
- اردو ادب میں ڈرام انگاری کی روایت اور نمایاں دہ ڈرام انگاروں کے بارے میں آگاہ کرنا۔
- امجد اسلام امجد کی شخصیت اور مختلف ادبی، شعری جہات کے بارے میں بتانا۔
- ڈراما "وہلیز" کا فکری اور فنی جائزہ لینا۔

[تعارف: احمد علی ایک کار و باری شخص ہے جو شہر میں ایک نئے پلازے کی تعمیر کا منصوبہ بنارہا ہے۔ اتنے تو نیس رحمٰن کا مشورہ ہے کہ پلازے سے ملحقہ مکان اگر شامل ہو جائے تو گراونڈ فلور پر سینما بھی تعمیر ہو سکتا ہے۔ مطلوبہ مکان احمد علی کے رشتے کے بھائی فقیر حسین کا ہے۔ احمد علی، فقیر حسین کو مختلف حیلوں بہانوں سے مکان بیچنے پر راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے، اسے بہتر تبادل مکان کا لائچ بھی دیتا ہے لیکن فقیر حسین راضی نہیں ہوتا۔ احمد علی کا بیٹا عابد زبردستی مکان حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فقیر حسین، اس کا بیٹا آخر اور بیٹی سعیدہ، عابد کے تاجراز ہر بولوں سے بہت تنگ رہتے ہیں۔ آخر کا ایک دوست رفیق ہے جو بظاہر ایک بڑا اور جرام پیش نوجوان ہے، وہ آخر کی مدد کرتا ہے۔ ایک کردار جا گیر دار جہانگیر کا ہے جو زمین کو اپنے تاجراز مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ آخر کا رقم درت انتقام لیتی ہے اور جہانگیر کی حوصلی کو آگ لگتی ہے جس سے وہ جل کر مر جاتا ہے۔ احمد علی اور فقیر حسین کے گھر انوں کے درمیان کشکش جاری رہتی ہے۔ احمد علی بیمار ہوتا ہے تو فقیر حسین بڑے خلوص کے ساتھ اس کی تیار داری کرتا ہے۔ آخر کاران کے خاندان کی تجھیں ختم ہو جاتی ہیں۔ احمد علی کا ایک بیٹا خالد ہے جو نیک فطرت ہے اور فقیر حسین کی بیٹی سعیدہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ سعیدہ بھی اس کے لیے پسندیدہ جذبات رکھتی ہے لیکن آخر میں وہ رفیق کے باطنی کردار سے متاثر ہو کر اس کا اخلاقی سہارا بننے کی خاطر اس کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر لیتی ہے۔]

کردار:

فقیر حسین	آخر	سعیدہ	احمد علی	خالد
نیلم	عابد	رفیق	سلامت	جیلا
چپر اسی	رحمان	چوکیدار	چند بدمعاش	
(سین: ۱۳)				

رفیق کا ذیرا: (سعیدہ اور آخر قدرے EXCITED (پر جوش) انداز میں آتے ہیں۔ ذیرا خالی ہے۔ چاروں طرف دیکھتے ہیں۔)

آخر: رفیق صاحب!

سعیدہ: کہاں گیا وہ۔۔۔ رفیق۔۔۔ رفیق صاحب۔۔۔ رفیق صاحب!

(بے چینی سے چاروں طرف دیکھتی ہے۔۔۔)

میں نے کہا بھی تھا کہ---

(ایک دم اندر ونی دروازے کو کھلتے ہوئے دیکھ کر رکتی ہے۔ رفیق دروازے میں خاموش کھڑا ہے۔ اس کے پیچے سلامت ہے، اختران کی طرف بڑھتا ہے۔)

اختر: (اطمینان کا سنس لیتے ہوئے) اوہ! ہم تو گھبراہی گئے تھے۔۔۔۔۔

سلامت: (آگے آتے ہوئے) السلام علیکم باجی جی۔۔۔ کیا حال ہے یار باؤ؟

اختر: تمہاری دعا ہے سلامت۔ آپ کے لیے ایک خوش خبری ہے رفیق صاحب!

سعیدہ: (بچوں کی طرح جلدی سے بات کرتی ہے) سردار جہانگیر جل کر مر گیا ہے۔ (رفیق اثبات میں سر ہلاتا ہے)

سعیدہ: (حیرت سے) آپ کو پتا لگ گیا ہے؟

رفیق: جی ہاں۔ آپ نے مجھے اس سے دور رہنے کو کہا تھا، غافل رہنے کو تو نہیں۔

(سعیدہ لا جواب سی ہو کر خواہ مخواہ مسکرا دیتی ہے۔ رفیق ایک دھاگے کو انگلیوں میں بار بار لمبیتے اور کھولتے ہوئے بولتا ہے۔)
بیٹھیں ناں آپ لوگ۔

اختر: نہیں رفیق صاحب! ہم دراصل یہی بتانے آئے تھے۔

سلامت: لو جی! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے۔۔۔ آپ بتائیں باجی جی، پیڑوں کی لئی پیش کروں؟

سعیدہ: (حیرت سے) کیا؟

سلامت: (ہاتھوں سے لئی بنانے کا شاکل بناتا ہے) پیڑوں کی لئی۔۔۔ پیڑے نہیں پتا آپ کو؟ (سعیدہ نفی میں سر ہلاتی ہے) وہ جو ہوتے ہیں، کھونے کے گول گول۔۔۔ دودھ یاد ہی میں ڈال کے بناتے ہیں اس کو۔۔۔ بڑی اعلانیل کی چیز ہے۔۔۔ بڑی نیند آتی ہے اس کے بعد۔

اختر: (بنتے ہوئے) یار سلامت! ایک تو تجھے ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے کی پڑی رہتی ہے۔

سلامت: تم مت بولو یا رشتی میں۔ میں باجی جی سے پوچھ رہا ہوں۔ تم ایسے ہی خواہ مخواہ۔۔۔

سعیدہ: نہیں سلامت بھائی۔ شکریہ۔ اب ہم چلیں گے۔ (رفیق سے) آپ آئیے ناں کسی وقت۔ ابو بھی پوچھ رہے تھے آپ کو۔

رفیق: (آڑ ردگی سے مسکراتے ہوئے) انھیں میرا سلام کہیے گا۔۔۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا۔۔۔ ہو سکتا ہے اس وقت تک انھیں میرا نام بھی بھول چکا ہو۔۔۔

سعیدہ: کیا؟ کیا مطلب؟

سلامت: (گلے کے انداز میں) آپ ہی اس کو سمجھاں گیں باجی جی۔۔۔ میری تو آندر میں جواب دے گئی ہیں بحث کر کے۔۔۔ استاد خود کو پولیس کے حوالے کر رہا ہے۔

آخر، سعیدہ: (حیرت سے) کیا؟

سلامت: سامنے کھڑے ہیں، پوچھ لیں آپ۔

رفیق: ہاں آخر! سردار جہانگیر کی موت کے بعد اب میرا اس دیرے کو چلانے کا کوئی جواز نہیں رہا۔

آخر: تو آپ چھوڑ دیں اسے۔ کوئی اچھا۔۔۔ کام کریں۔

رفیق: کروں گا، کروں گا، مگر باہر آکر۔

سلامت: پھر وہی بات۔۔۔ (آخر کو مطالب کرتے ہوئے) دیکھو یار باؤ، اب جب کہ تم یہ سارے غلط قسم کے کام چھوڑ رہے ہیں،

شریف شہری بننے کا ارادہ کر رہے ہیں، تو کیا یہ کافی نہیں ہے؟ (آخر اثبات میں سرہلاتا ہے) تو سمجھاؤ پھر ان کو۔

(استاد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔)

رفیق: یہ بات نہیں ہے سلام۔۔۔ شریف آدمی بننے کے لیے مجھے وہ سارے بوجھا پنی گردان سے اتنا نہ ہوں گے جو میں نے ان بارہ

سالوں میں جمع کیے ہیں، سارے جرائم اور غیر قانونی کام جو میں کرتا رہا ہوں ان کا کفارہ ادا کیے بغیر مجھے، ان لوگوں کے ساتھ

(آخر اور سعیدہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سعیدہ چونکہ کراس کی طرف دیکھتی ہے۔)

کھڑا ہونے کا کوئی حق نہیں۔ میں کھڑا ہوں گیں سکتا۔

سلامت: پر وہ کام تم نے اپنی خوشی سے تو نہیں کیے تھے۔

رفیق: (زور دیتے ہوئے) کیے تو تھے ناں۔۔۔ قانون تو توڑا تھا ناں۔۔۔ نقصان تو پہنچا ہے ناں لوگوں کو میری وجہ سے۔

سلامت: وہ توٹھیک ہے پر۔۔۔ انصاف بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

رفیق: انصاف ہی کے لیے تو میں یہ سب کر رہا ہوں سلام۔۔۔

آخر: مگر استاد! سلامت بھی ٹھیک کہ رہا ہے۔۔۔ بارہ سال میں جو تم پر گزری ہے، یہ کم ستر تو نہیں۔

رفیق: نہیں آخر باؤ نہیں۔ (سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے) میں ٹھیک کر رہا ہوں ناں سعیدہ بی بی؟

سعیدہ: (پریشانی میں) ہاں۔۔۔ رفیق صاحب۔۔۔!

آخر: (احتیاج آمیز انداز میں) یہ کیا کہ رہی ہو؟

(سعیدہ کوئی جواب نہیں دیتی۔)

رفیق: ضمیر پر بوجھ لے کر آزاد رہنے سے چند سال کی جیل کاٹ لینا برا سود نہیں آخر!۔۔۔ (جاتے جاتے رکتا ہے۔) پھر تم بھی کسی

بھیک کے بغیر مجھے اپنا دوست کہ سکو گے۔۔۔ کہو گے ناں!۔۔۔ (آخر اثبات میں سرہلاتا ہے۔) اچھا سعیدہ بی بی! خدا حافظ!

سعیدہ: خدا حافظ!

سلامت: (بے چینی سے آگے آتے ہوئے) کمال کرتے ہو یا راستاد جی۔ تھمارا کیا خیال ہے، ہمارا کوئی ضمیر نہیں ہے۔۔۔ ہمارے اوپر

کوئی بوجھ نہیں۔ اگر تم نے جیل کی دال روٹی کھانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔۔۔ (سعیدہ سے)
انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

(دونوں جاتے ہیں۔ رفیق چند لمحے دروازے میں رُک کر سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔)

(سین: ۱۵)

احمد علی کا گھر: (احمد علی آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ سب لوگ اس کی طرف خوش نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔)
فقیر حسین: ذرا آہستہ۔ ڈاکٹر صاحب نے پچاس قدم چلنے کو کہا تھا، یہ نہیں کہا تھا کہ تیز گام کی طرح چلانا ہے۔
(سب بہتے ہیں۔)

احمد علی: آج میں اتنا خوش ہوں کہ جی چاہتا ہے پیدل ساری دنیا میں گھوم جاؤں۔

نیلم: (شرط آمیزانداز میں) مگر کراچی سے آگے تو سندھ شروع ہو جاتا ہے اب تو!

سلمنی: (محبت سے) بہت بد تیز ہوتی جا رہی ہوتی۔

آخر: جی بالکل۔

نیلم: آپ تو مت بولا کریں بیچ میں۔

احمد علی: کیوں نہیں بولے گا یہ۔۔۔ بلکہ تم تو ایسا انتظام کر رہے ہیں کہ تم اس کے سامنے بول ہی نہ سکو۔ کیوں سلمنی؟

سلمنی: یہ پھر بھی بازنہیں آئے گی۔

احمد علی: کیوں؟ ماں سے کچھ نہیں INHERIT کیا اس نے؟

سلمنی: کیا؟

احمد علی: میرا مطلب تھا میں سے کچھ نہیں سیکھا اس نے؟

سلمنی: اچھا۔

فقیر حسین: کیوں تم دونوں میری بیٹی کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ ادھر آؤ بیٹی! تم میرے پاس آؤ۔

(نیلم حیرت سے سب کی طرف دیکھتی ہے۔ ایک دم ان کا مطلب سمجھ کر شرماتی ہے۔ اندر کی طرف بھاگ جاتی ہے۔

(سب ہنس پڑتے ہیں۔)

احمد علی: میرا خیال ہے، بھائی فقیر حسین، اب جب کہ اللہ نے ہم سب پر مہربانی کر دی ہے تو میں تم سے بھی کچھ مانگتیں گے۔

فقیر حسین: (مسکراتے ہوئے) جو مانگنا ہو سیدھی طرح مانگنا، چکھنے دینا پہلے کی طرح۔

احمد علی: نہیں فقیر حسین! اب ایسا نہیں ہو گا۔ اب یہیں، خیر چھوڑوا سے۔ سعیدہ بیٹی! ذرا یہاں آتا۔

(سعیدہ چونک کراس کی طرف دیکھتی ہے۔)

تم بھی آؤ خالد بیٹا۔

خالد: جی! (انہ کراس کے پاس بیٹھتا ہے)۔ یہاں آؤ بیٹا! میرے پاس۔

سعیدہ: میں بھی ٹھیک ہوں چاچا جان۔

احمد علی: ارے نہیں بھی۔ تمھیں پتا نہیں میں تمھیں یہاں کیوں بلا رہا ہوں۔ کیوں فقیر حسین؟
(مسکرا کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ فقیر حسین پہلے مسکراتا ہے پھر غور سے سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔)

فقیر حسین: کیا بات ہے سعیدہ بیٹی؟

سعیدہ: (انکتے ہوئے) ابو! چاچا جان مجھے جس لیے۔۔۔ اپنے پاس بلا رہے ہیں، میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں نہیں کر سکتی۔

سلمانی: (حیرت سے) مگر بیٹی! خالد اور تم تو۔۔۔

احمد علی: ہاں بیٹی! تم دونوں تو۔۔۔

سعیدہ: اس وقت اور بات تھی چاچا جان۔۔۔ میں۔۔۔ دراصل۔۔۔

فقیر حسین: (حیرت سے) خالد کو تو تم بہت پسند کرتی ہو بیٹی۔

سعیدہ: خالد بہت اچھے ہیں ابو! بہت اچھے، مگر آپ کہا کرتے ہیں نا ابو کہ کسی دوسرے کے لیے کچھ کرنا ہو تو اپنے آپ کو مارنا پڑتا ہے۔ اپنے اندر سے اپنے حصے سے کچھ کاٹ کر اسے دینا پڑتا ہے۔

فقیر حسین: ہاں ہاں بیٹی!

سعیدہ: میں نے بھی یہی سوچا ہے ابو۔ تم سب کے پاس سب کچھ ہے۔ آرام، سکون، توجہ، خوشی، محبت۔ لیکن ایک شخص ایسا ہے ابوجس کے پاس ان میں سے ایک بھی چیز نہیں۔ بالکل اکیلا ہے وہ۔

فقیر حسین: (حیرت سے) کس کی بات کر رہی ہو بیٹی؟

آخر: (چند لمحے سعیدہ کے تذبذب کو دیکھتا ہے اور ایک قدم آگے بڑھتا ہے۔) رفیق؟ تم رفیق کی بات کر رہی ہو تاں؟
(سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔) مگر سعیدہ۔۔۔ رفیق۔

سعیدہ: تم تو اسے جانتے ہو اختر! ہم سب سے زیادہ جانتے ہو۔ وہ پڑھا لکھا نہیں۔ شکل سے گنوار لگتا ہے۔ اس کا ماضی داغ دار ہے۔ مگر یہ سب کچھ اس کی اپنی مرضی سے نہیں ہوا۔ اتنی افیمت اور تکلیف دیکھنے کے باوجود اگر کسی آدمی کے اندر انسان زندہ رہے تو اس کی مدد کرنی چاہیے اختر، حفاظت کرنی چاہیے اس کی۔

آخر: ہاں! یہ تو ٹھیک ہے۔

احمد علی: کون ہے یہ رفیق؟

عبد: ڈیڈی! یہ وہی ہے جس نے مجھے سردار جہانگیر کی قید سے نکالتا۔

سلسلی: کیا کرتا ہے؟

عابد: مگر سعیدہ! وہ تو... اختر باتار ہا تھا کہ HE IS UNDER ARREST (سعیدہ اثبات میں سرہانی ہے۔) تو... میرا مطلب ہے...
سعیدہ: کسی اور کو ہونہ ہو، ہمیں تو پتا ہے عابد کہ اس نے جو کچھ کیا، کیوں کیا تھا۔ اگر ایک گناہ گار توبہ کر لے، کفارہ ادا کر دے اپنے جرموں کا، مزاجگت لے اپنی غلطی کی، تو کیا اس کے بعد بھی معاشرہ اسے قبول نہ کرے!

احمد علی: کیوں نہیں کرے بیٹی۔ مگر اس کے لیے تم... تم کیوں؟

سعیدہ: اس لیے پچا جان کہ اس تصویر کا یہ خ صرف ہم لوگوں نے دیکھا ہے۔ اگر ہم اسے معاف نہیں کر سکتے تو باقی دنیا کیسے کرے گی۔
(فقیر حسین کی طرف دیکھتی ہے۔)

میں نے ٹھیک کہا ہے نا! اب تو!

فقیر حسین: تم نے بہت اچھا سوچا ہے بیٹی، لیکن اگر تم نے اسے سہارا دینے کا فیصلہ کر رہی لیا ہے تو اسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دینا کہ تم نے اس پر حکم کھا کر اسے قبول کیا ہے۔ احسان کے اظہار سے اس کی برکت زائل ہو جاتی ہے، بیٹی!

سعیدہ: مجھے اس کا احساس ہے اب تو! ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ (وہ رو تے ہوئے باپ کے سینے سے لگتی ہے۔) مجھے شاید یہ بات اس طرح نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اب تو! مجھے معاف کرو دیجیے۔

(ڈراما: دلیز)



مشق

1۔ مختصر جواب دیں:

- (الف) ”استاد خود کو پولیس کے ہوا لے کر رہا ہے۔“ متن کے مطابق یہ بات کس کے بارے میں ہیں؟
- (ب) سعیدہ کے دل میں رفیق کے لیے ہمدردی کیوں تھی؟
- (ج) ”ضمیر پر بوجھے لے کر آزاد رہنے سے چند سال کی جیل کاٹ لیتا ہر اسود نہیں۔“ اس جملے کی وضاحت سیاق و سبق کو ہوا لے سے کریں۔
- (د) فقیر حسین نے بیٹی کو کیا نصیحت کی؟
- (ہ) ڈراما دلیز کے اہم کرداروں کا تعارف کروائیں۔

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) متن کے مطابق ڈرامے کا سب سے متحرک اور مرکزی کردار ہے:

(الف) رفیق (ب) سعیدہ (ج) خالد (د) فقیر حسین

(ii) ”دہلیز“ اصنافِ ادب کے لحاظ سے ہے:

(الف) ناول (ب) ڈراما (ج) داستان (د) افسانہ

(iii) رفیق جرم کی دنیا میں گھرا رہا:

(الف) دس سال (ب) بارہ سال (ج) چودہ سال (د) سولہ سال

(iv) رفیق نے اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا:

(الف) دوسروں کو سبق سکھانے کے لیے (ب) خود کو چھپانے کے لیے

(ج) جرم کی دنیا سے بچنے کے لیے (د) ضمیر کا بوجھاتارنے کے لیے

(v) بیماری سے صحت یاب ہوا:

(الف) عابد (ب) خالد (ج) اختر (د) احمد علی

(vi) ”انصار ہی کے لیے تو میں یہ سب کر رہا ہوں سلام!“ اس جملے میں ”سلام“، ”اسم علم“ کے مطابق ہے:

(الف) کنیت (ب) عرف (ج) تخلص (د) خطاب

۳۔ متن کو مددِ نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) اگر تم نے کی دال روٹی کھانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔

(ب) فقیر حسین پہلے ہے پھر غور سے سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔

(ج) رفیق چند لمحے دروازے میں رُک کر کی طرف دیکھتا ہے۔

(د) آج میں اتنا خوش ہوں کہ جی چاہتا ہے پیدل ساری میں گھوم جاؤں۔

(ه) انسان اگر کے کام نہیں آئیں گے تو یہ دنیا آگے کیسے چلے گی۔

۴۔ آپ کے نزدیک ڈراما ”دہلیز“ کا سب سے فعال کردار کون سا ہے؟ اپنی بات کی وضاحت میں دلائل دیں۔

۵۔ طلبہ دینی اور اخلاقی تناظر میں توبہ کی فضیلت بیان کریں۔

۶۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھئے گئے سوالات کے جوابات دیں:

گزشتہ ہفتے ہمارے کالج کی طرف سے تفریجی مقام کی سیر کا انعقاد کیا گیا اور سیر کا مرکز ”مری“ کی وادی اور اس کا قرب و جوار طے پایا۔

ہمارے تمام اساتذہ نے مل کر تمام انتظامات ترتیب دیے، بسوں کا انتظام کیا۔ ۲۰، صبح ۹ بجے تک تمام طلبہ کالج میں جمع ہو کر بذریعہ کو سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔ سفر چار گھنٹے کا تھا۔ میں نے اور میرے تمام دوستوں نے خوب مزے کیے۔ راستے میں ایک مسجد کے سامنے نمازِ ظہر ادا کرنے کے لیے کوئی روکی گئی۔ ہم سب نے باوضو ہو کر نماز ادا کی۔ مسجد کے قریب ہی ایک ڈھاہا باتھا۔ طلبہ نے وہاں سے گرم پکوڑے، سموے کھائے اور لطف اندوڑ ہوئے۔ کوئی دوبارہ منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئی اور دوڑھائی گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم مری پہنچ گئے۔ سب سے پہلے ہمیں مری کی مال روڈ کی سیر کا موقع میستر آیا جہاں ارڈگرڈ کی دکانوں سے میں نے خشک میوه جات کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی چیزیں خریدیں۔ مال روڈ کے بعد ہم نے وادی مری کی معروف گلیوں کی سیر کی۔ ہم گھوڑا گلی، چھانگ گلی اور نتھیا گلی بھی گئے۔ یہاں کا دل کش ٹھنڈا موسم ہمیشہ یاد رہے گا۔ مری میں ہمارا قیام مال روڈ کے کنارے ایک خوب صورت ہوٹل میں تھا۔ جب ہم سیر پاٹ سے تھک گئے تو ہوٹل کا رخ کیا۔ ایک رات آرام کے لیے ہوٹل کے چند کمرے کرائے پر لیے گئے تھے۔ باقی دوستوں کی طرح میں بھی تھکناوٹ سے پھورا پنے کمرے میں جاتے ہی لیٹ گیا اور صبح کہیں جا کے میری آنکھ کھلی۔ تمام طلبہ نے اپنے ساتھ آئے ہوئے اساتذہ کے ہمراہ ناشتا کیا۔ گیارہ بجے تک مزید سیر کا وقت مختص تھا۔ وقت مقررہ پر تمام لوگ ہوٹل میں اکٹھے ہوئے اور اپنا اپنا سامان باندھ کر واپسی کے لیے بار ڈگر بس میں سوار ہو گئے۔ اس سفر میں ہمیں اپنے اساتذہ کی قربت بھی نصیب رہی اور تفریح کا موقع بھی میستر آیا۔ مجھے یہ تفریحی دورہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

سوالات:

- عبارت میں کس سفر کی رُودا و بیان کی گئی ہے؟
- سفر کے دوران میں کوئی کہاں رکی اور طلبہ نے وہاں کیا کیا؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔
- مال روڈ سے کس چیز کی خریداری کی گئی؟
- سیر و سیاحت کے لیے کون سی تاریخ مقرر تھی اور سفر کا آغاز کس وقت ہوا؟

زبان شناسی:

حروف کی اقسام: اردو میں حروف کی بہت سی اقسام ہیں، جن میں سے حرف بیان، حرف تاکید اور حرفِ علت کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں۔ مزید چند ایک حروف کی اقسام درج ذیل ہیں:

حروف جار: وہ حروف ہیں جو اسماء اور افعال کو آپس میں ملاتے ہیں۔ مثلاً: میں، سے، پر، تک، ساتھ، اوپر، نیچے، لیے، آگے، وغیرہ۔

حروف اضافت: وہ حروف ہیں جو اسموں کے باہمی تعلق اور ملکتیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اردو میں کا، کے، کی حروف اضافت ہیں۔

حروف عطف: وہ حروف ہیں جو اسموں یا جملوں کو آپس میں ملاتے ہیں۔ مثلاً: و، اور، نیز، پھر، بھی وغیرہ۔

حروف استفہام: وہ حروف ہیں جو کچھ پوچھنے یا سوال کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: کیا، کیوں، کہاں، کب، کون، وغیرہ۔

حروف تشییع: وہ حروف ہیں جو کسی چیز کو دوسرا چیز کے مانند قرار دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: مانند، طرح، جیسا، وغیرہ۔

۷۔ حروف کے نام کالم ”الف“ میں جب کہ ان کی مثالیں کالم ”ب“ میں درج ہیں، کالم ”ج“ میں مثال کے مطابق حروف کے نام لکھیے:

کالم ”ج“	کالم ”ب“	کالم ”الف“
پر	جیسا	حروفِ جار
	کہاں	حروفِ اعفاف
	کا	حروفِ عطف
	اور	حروفِ استفهام
	پر	حروفِ تشییہ

۸۔ درج ذیل الفاظ پر درست اعراب لگائیں۔

غافل، نسل، آزردگی، کفارہ، سمندر، انتظام، چکمہ، اذیت، دلیز

۹۔ سبق ”دلیز“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

۱۰۔ اس سبق کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

مکالمہ لکھنا:

مکالمہ کے لغوی معنی ہیں کلام کرنا۔ اصطلاح میں دو یادو سے زیادہ افراد کے مابین کسی موضوع سے متعلق گفت گو کرنے کو مکالمہ کہتے ہیں۔ اچھامکا مودہ ہے جس میں روزمرہ بات چیت کا انداز اور بے تکلف اب وابھا اختیار کیا گیا ہو، جو حقیقی زندگی کے قریب ہو اور انداز گفت گو میں مخاطب کے مقام و مرتبہ کا خیال رکھا گیا ہو۔ مکالمہ میں تمام کردار اپنی شخصیت، اپنے خیالات و تصورات کا اظہار عدمہ گفت گو سے کرتے ہیں۔ زبان و بیان پر قدرت اور کرداروں کی سیرت اور فطرت کی واضح تصویر کشی کے لیے مکالمے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۱۔ ”جدید ذراائع ابلاغ کی اہمیت“ کے موضوع پر تین طلبہ کے درمیان مکالمہ تحریر کریں اور جماعت میں پیش کریں۔

۱۲۔ طلبہ میں کرقرارداو پاکستان کو رسول پلے کے انداز میں پیش کریں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

اردو ڈراما کی روایت پر مضمون تحقیقی و تنقیدی کتب کی مدد سے لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- لی وی ڈرامے کی تاریخ اور مختصر ارتقا سے آگاہ کریں۔

- ڈرامے کے بنیادی اجزاء: پلاٹ، کردار، مکالمہ اور نقطہ عروج سے آگاہ کریں۔





خديجہ مستور

(۱۹۸۲ء-۱۹۲۷ء)

خديجہ مستور بربیلی کے یوسف زئی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ بربیلی کے نزدیک بلس نامی گاؤں کے ایک متوسط پٹھان گھرانے میں پسیدا ہوئیں۔ والد کا نام تھا علی خاں تھا اور وہ ملازمت پیشہ تھے لہذا مختلف مقامات پر ابتدائی زندگی گزاری۔ ان کی والدہ کا نام انور جہاں تھا جو ایک اچھی شاعرہ اور مضمون نگار تھیں۔ اس طرح انھیں ابتدائی سے علمی و ادبی ماحول میسر آیا لیکن تو برس کی تھیں کہ والدوفات پاگئے اور خاندان والوں نے کفالت سے ہاتھ کھینچ لیا لہذا معاشری تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور لکھنؤ میں اپنے نانا کے ہاں قیام کرنا پڑا۔ گھر پر تعلیمی کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنی محنت اور ذوق سے وسیع مطالعہ اور معاشرتی و معاشری حقائق کا ادراک حاصل کیا۔

خديجہ مستور کی چھوٹی بہن ہاجره مسرور (۱۹۳۰ء-۲۰۱۲ء) بھی معروف ناول نگار اور افسانہ نگار گزری ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد دونوں بہنیں اپنے گھرانے کے ساتھ پہلے کراچی اور پھر لاہور آگئیں۔

خديجہ مستور کو ابتدائی سے افسانوی ادب سے فطری لگا دیا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں لکھنا شروع کیا اور افسانوں کا پہلا مجموعہ ”کھیل“، ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ”بوچھار“ (۱۹۳۶ء)، ”چند روز اور“ (۱۹۵۱ء)، ”تھکے ہارے“ (۱۹۶۲ء) اور ناول ”آنگن“ (۱۹۶۲ء) بھی شائع ہوئے۔ ”آنگن“ پر ان کو آدم بھی ادبی انعام ملا۔ ان کی آخری تصنیف ”زمین“ ان کی وفات کے بعد ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔

خديجہ مستور اردو خواتین ناول نگاروں میں اس لحاظ سے اہم ہیں کہ انھوں نے اپنے ناول ”آنگن“ میں سماجی حقیقت نگاری سے کام لیتے ہوئے ایک پورے عہد اور دور کی کشکش کو پیش کیا ہے۔ اس لحاظ سے اس ناول کو قیامِ پاکستان کے پس منظر میں لکھے جانے والے ناولوں میں امتیاز حاصل ہے۔ ناول ”آنگن“ کی کہانی اگرچہ ایک خاندان کی کہانی ہے لیکن اس کہانی کے آئینے میں انھوں نے گھریلو زندگی کے تصادم اور کشکش کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے سیاسی نظریات کے تکڑاوے، سماجی رجحانات اور معاشری تحریکوں کو جھیلی پیش کیا ہے۔ ان کا ایک خاص کارنامہ اپنے نسوانی کرداروں کی حقیقی تصویر کشی اور ان کی نفیات پر کا اظہار ہے۔

”آنگن“ کی زبان نہایت شستہ، رواں اور روزمرہ کی زبان ہے۔ خديجہ مستور کا اسلوب جدید دور کے سادہ، بے تکلف اور عام فہم انداز کا آئینہ دار ہے جو ناول کے موضوع، کرداروں اور ان کے تمام احساسات و معاملات کے اظہار پر قادر ہے۔ ”آنگن“ درحقیقت قیامِ پاکستان کے وقت کے ایک متوسط مسلمان گھرانے کی تصویر کشی پر مبنی ہے اور خديجہ مستور کا اسلوب، زندگی کو سمجھنے کا انداز اور اس کا نسوانی نقطہ نظر اس تصویر کشی میں حقیقت کا رنگ بھرتا ہے۔



اور پاکستان بن گیا

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کی انسانی اور ادبی مہارتوں کو بہتر بنانا۔
- طلبہ کو فنِ ناول نگاری اور اس کے لوازم سے روشناس کرنا۔
- خدیجہ مستور کے ناول ”آنگن“ کے تحریک پاکستان کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالنا۔
- طلبہ میں ناول کے کرداروں، واقعات، پلاٹ، مکالمات اور منظر کشی وغیرہ کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

[تعارف: آدم جی ادبی انعام یافتہ ناول ”آنگن“ قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے ناولوں میں ممتاز مقام کا حامل ہے۔ ”آنگن“ میں ہندوستان کے ایک مسلمان گھرانے کی زندگی کے حالات بیان ہوئے ہیں اور اس امر کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ افراد کی زندگیوں پر گرد و پیش میں رونما ہونے والے سماجی اور سیاسی واقعات کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ناول میں مسلمان اشراف گھرانوں میں گھریلو زندگی کی جملک، طبقہ نسوان کی جذباتی زندگی اور دوسرے کرداروں کی نفیات کو مہارت سے پیش کیا گیا ہے۔ ناول کا موضوع تقسیم سے ذرا پہلے اور قیام پاکستان کے بعد کا دو مختصر زمانہ ہے جب جنوبی ایشیا کے مسلمان بھرت کرنے یا نہ کرنے کی کوشش میں بتلتائے اور ملک کے طول و عرض میں جا بجا انسانی خون ارزال ہو گیا تھا۔]

پاکستان بن گیا۔ ملکی راہنماء کراچی دار الحکومت جاچکے تھے۔ پنجاب میں خون کی ہوئی کھیلی جا رہی تھی۔ بڑے پچھا اس صدمے سے جیسے نہ حال ہو گئے تھے۔ بیٹھک میں بیماروں کی طرح وہ ہر ایک سے پوچھتے رہتے：“یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہو گیا؟ یہ ہندو مسلمان ایک دم ایک دوسرے کے ایسے جانی دشمن کیسے ہو گئے؟ یا انھیں کس نے سکھایا ہے؟ ان کے دل سے کس نے محبت چھین لی؟” جب وہ یہ سب کچھ عالیہ سے پوچھتے تو وہ ان کا سر سہلانے لگتی۔ ”بڑے پچھا آپ آرام کیجیے، آپ تھک گئے ہیں بڑے پچھا۔“ اور بڑے پچھا اس طرح آنکھیں بند کر لیتے جیسے خون کی ندی ان کی آنکھوں کے سامنے بہ رہی ہو۔ ”زمانے زمانے کی بات ہے، وہ بھی زمانہ تھا جب ہندووپنے گاؤں کے مسلمانوں پر آنچ آتے دیکھتے تو سر دھر کی بازی لگادیتے اور مسلمان ہندو کی عزت بچانے کے لیے اپنی جان نچحاور کر دیتا، ایسا بھائی چارہ تھا کہ لگتا ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں، پر اب کیا رہ گیا، دونوں کے ہاتھوں میں خیز آگیا ہے۔“ کریم بن بو افساد کی خبریں سن سن کر ٹھنڈی آہیں بھرا کرتیں۔ اپنے شہر میں فساد تو نہ ہوا تھا مگر سب کی جانوں پر بُنی رہتی، پتا نہیں کب کیا ہو جائے۔

”کہاں ہو گا میر اشکیل؟“، بھبھی^(۱) میں فساد کی خبر سن کر بڑی چھپی بلکن لگیں۔

”تمہارا پاکستان بن گیا جیل! تمہارے ابا کا ملک بھی آزاد ہو گیا، پر میرے شکیل کو اب کون لائے گا؟“

”سب تھیک ہو جائے گا ماں، وہ خیریت سے ہو گا۔ یہ فساد و ساد تو چار دن میں ختم ہو جائیں گے۔“، جیل بھیان کو سمجھاتے مگر ان کا چہرہ فقیر ہتا۔ شام سب لوگ خاموش بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ماموں کا خط آگیا۔ انہوں نے اماں کو لکھا تھا کہ انہوں نے اپنی خدمات پاکستان کے لیے وقف کر دی ہیں اور وہ جلد ہی جا رہے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کو چلتا ہو تو فوراً جواب دیجیے اور تیار رہیے۔

”بس ابھی تاریخے دو جیل میاں، ہماری تیاری میں کیا لگے گا، ہم تو بس تیار بیٹھے ہیں۔ اپنا بھائی ہے بھلا میں اکیلا چھوڑ کر جا سکتا ہے؟“، مارے خوشی کے اماں کا منہ سرخ ہو رہا تھا۔

جمیل بھیان نے اس طرح گھبرا کر سب کی طرف دیکھا جیسے فسادی ان کے دروازے پر پہنچ گئے ہوں：“مگر آپ کیوں جائیں گی چھوٹی چھپی؟ آپ یہاں محفوظ ہیں۔ میں آپ کے لیے اپنی جان دے دوں گا۔“، انہوں نے آج بڑی مدت بعد عالیہ کی طرف دیکھا، کیسی سفارشی نظریں تھیں مگر عالیہ نے اپنی آنکھیں جھکالیں۔

”میں نہ جاؤں تو کیا ہندوؤں کے ٹکر میں رہوں، پاکستان میں اپنوں کی تو حکومت ہو گی، پھر میں اپنے بھائی کو چھوڑ کر ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتی، واہ۔“

مارے خوشی کے اماں سے نچلانہ بیٹھا جا رہا تھا۔

”عالیہ جانے پر راضی نہیں ہو گی چھوٹی چھپی، وہ نہیں جائے گی، وہ جاہی نہیں سکتی۔“، جیل بھیان نے جیسے نیم دیوانگی کے عالم میں کہا：“تم اپھے حق دار آگئے، کون نہیں جائے گا؟“، اماں ایک دم بھرا تھیں۔ ”تم ہوتے کون ہو رکنے والے؟“

”ضرور جائیے چھوٹی چھپی۔“، جیل بھیان نے سر جھکا دیا اور عالیہ کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ نہیں جا سکتی۔ صدیاں گزر جائیں گی مگر وہ یہاں سے ہل بھی نہ سکے گی۔

”میں ابھی تاریکے دیتا ہوں کہ سب تیار ہیں۔“، جیل بھیان اٹھ کر باہر چلے گئے۔

عالیہ کا جی چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر اعلان کرے کہ وہ نہیں جائے گی، وہ نہیں جا سکتی، اسے کوئی نہیں لے جا سکتا مگر اس کے گلے میں تو سیکروں کا نئے پیٹھر ہے تھے، وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکی، اس نے ہر طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکالیں مگر وہ کیوں رکے، کس کے لیے، اس نے سوچا اور پھر جیسے بڑے سکون سے چھالیہ کاٹنے لگی۔ عالیہ بیگم اگر تم رہ گئیں تو ہمیشہ کے لیے دلدل میں پھنس جاؤ گی۔

”کریمین باؤ! اگر سب لوگ چائے پی چکے ہوں تو۔۔۔“، اسرار میاں نے بیٹھک سے آواز لگائی اور کریمین باؤ آج تو ڈائنوں کی طرح چیخنے لگیں۔ ”ارے کوئی تو اس اسرار میاں کو بھی پاکستان بھیج دو۔ سب چلے گئے سب چلے جائیں گے مگر یہ کہیں نہیں جاتا۔“، بیٹھک میں اسرار میاں کے کھانے کی آواز آئی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

(۱) موجودہ بھبھی

”کیا تم سچ چلی جاؤ گی چھوٹی دھن؟“ بڑی دیر تک چپ رہنے کے بعد بڑی چھی نے پوچھا۔
”ظاہر ہے کہ چلی جاؤں گی۔“ اماں نے رُکھائی سے جواب دیا۔

”یہ گھر تمھارا ہے چھوٹی دھن، مجھے اکیلے نہ چھوڑو۔“ بڑی چھی نے ڈبڈ بائی ہوئی آنکھیں بند کر لیں، شاید وہ تہائی کے بھوت سے ڈر رہی تھیں۔ عالیہ جیسے پناہ ڈھونڈنے کے لیے اوپر بھاگ گئی۔ دھوپ پیلی پڑکر سامنے کے مکان کی اوپنجی دیوار پر چڑھ گئی تھی۔ ہائی اسکول کے احاطے میں بسیرائیں والے پرندے مسلسل شور مچائے جا رہے تھے۔

کھلی فضا میں آکر اس نے اطمینان کی سانس لی اور مسافروں کی طرح ٹہل ٹہل کر سوچنے لگی کہ اب آگے کیا ہو گا، شاید اچھتا ہی ہو، وہ یہاں سے جا کر ضرور خوش رہے گی۔

جب وہ نیچے اتری تو سب اپنے اپنے خیالوں میں مگن بیٹھے تھے، صرف کریم بن جانے کیس بات پر بڑا رہی تھیں اور پھر تی سے روٹیاں پکاتی جا رہی تھیں۔

جمیل بھیتا کہاں گئے، اب تک کیوں نہیں آئے، عالیہ نے عومنی کرسی کی طرف دیکھا۔ جانے یہ سر پھرا آدمی اسے یاد کرے گا یا بھول جائے گا۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

الاشیں کی حقیقت خراب تھی اس لیے اس میں سے دلوں انہوں رہی تھیں اور ایک طرف سے چمنی سیاہ ہو گئی تھی۔ مدھم روشنی میں بڑی چھی اور کریم بن جاؤ کے چہرے بگزرے بگزرے لگ رہے تھے۔

جمیل بھیتا گھر میں داخل ہوئے اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ”میں تار کر آیا ہوں چھوٹی چھی!“ انہوں نے دیہرے سے کہا۔

”تم اتنی دیر تک باہر نہ رہا کرو، شام سے گھر آ جایا کرو، جانے کہ یہاں بھی گڑ بڑ ہو جائے۔“ بڑی چھی نے کہا۔

”رہنا تو پڑتا ہے، مسلمان ڈرے ہوئے ہیں، انھیں سمجھانا ہے کہ وہ یہاں، ڈٹ کر ہیں اور یہاں کی فضا کو پر امن رکھیں، گھر میں بیٹھ کر تو کام نہ چلے گا۔“

”تب اب ملک آزاد ہو گیا تو یہ کام شروع ہو گئے، خیر مجھے کیا، تم نے تار پر پتاٹھیک لکھا تھا نا؟“ اماں نے پوچھا۔
”آپ اطمینان رکھیں، پتاٹھیک تھا۔“

”خیر سے ہم تو پاکستان جا رہے ہیں، مگر اب تم اپنے گھر کی فکر کر جیل میاں، کیا بڑی حالت ہو چکی ہے، اپنی ماں کی طرف بھی دیکھو۔“ اماں نے ہمدردی سے بڑی چھی کی طرف دیکھا۔

”کون جا رہا ہے پاکستان؟“ بڑے چھانے بھن میں قدم رکھتے ہی بوکھلا کر پوچھا۔ انہوں نے اماں کی باتیں سن لی تھیں۔

”میں اور عالیہ جائیں گے، اور کے جانا ہے۔“ اماں نے ترزاں سے جواب دیا۔

”کوئی نہیں جا سکتا، میری اجازت کے بغیر، کوئی قدم نہیں نکال سکتا، کس لیے جاؤ گے پاکستان؟ یہ ہمارا ملک ہے، ہم نے قربانیاں دی ہیں اور اب ہم اسے چھوڑ کر چلے جائیں؟ اب تو ہمارے عیش کرنے کا وقت آ رہا ہے۔“ بڑے چھا سخت جوش میں تھے۔

”ماشاءالله! آپ بڑے حق دار، بن کر آگئے، نہ کھلانے کے نہ پلانے کے، کون سادکھا جو یہاں آ کرنیں جھیلا، میرے شوہر کو بھی آپ ہی نے چھین لیا، آپ ہی نے انھیں مارڈا۔ میری لڑکی کو تیم کر دیا اور اب حق جتار ہے ہیں؟“ مارے غصے کے اماں کی آواز کا نپ رہی تھی۔

”کریم، بُو! امیر اکھانا بیٹھک میں بھجوادو۔“ بڑے چھا سر جھکا کر بیٹھک میں چلے گئے۔

”کیا آپ چلنے سے پہلے بڑے چھا کو یہی بدله دینا چاہتی ہیں؟“ بڑے چھانے کسی کوتبا نہیں کیا، بڑے چھانے کسی کو دعوت نہیں دی تھی کہ آؤ اور میرا ساتھ دو۔ آپ آج اچھی طرح سن لیں کہ مجھے بڑے چھا سے اپنی بھتی ہے جتنی اپنا سے تھی۔“ عالیہ نے کھانا چھوڑ دیا اور ہاتھ دھو کر بیٹھک میں چلی گئی، اماں کیا کہتی رہ گئیں اس نے ذرا بھی نہ سنا۔

”کیا تم سچ جھ جارہی ہو ہیں؟“

”ہاں بڑے چھا، اماں جو تیار ہیں۔“ اس نے بے بھی سے جواب دیا۔

”یا انگریز جاتے جاتے بھی چال چال گیا، لوگوں کو گھر سے بے گھر کر گیا، پھر بھی تم مت جاؤ ہیں! اپنی ماں کو سمجھا لو، اب تمہارے سکھ کا زمانہ آگیا ہے۔“

”بڑے چھا میں تو اماں کا واحد سہارا ہوں، میں انھیں کس طرح چھوڑ دوں، وہ ضرور جائیں گی مگر آپ کو نہیں معلوم کہ یہ گھر چھوڑ کر میں کس طرح تڑپوں گی، آپ۔۔۔ آپ تو۔۔۔“ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سکنے لگی۔

”چھوٹی دھن کو مجھ سے سخت نفرت ہے، ٹھیک ہے، میں نے تم لوگوں کے لیے کچھ بھی نہ کیا، مگر اب وقت آیا تھا کہ اس گھر میں پہلی سی شادمانی لوٹ آتی، مجھے بڑی اچھی ملازمت دی جا رہی ہے، پھر دکانوں کو چلانے کے لیے دس پندرہ ہزار کی امداد بھی ملنے کی توقع ہے، میں چھوٹی دھن کی سب شکایتیں رفع کر دوں گا۔“ انھوں نے عالیہ کو پیار سے تھپکا۔۔۔ ”کیا گھر میں تیل ختم ہو گیا ہے؟ لاٹین کی روشنی مدد ہوتی جا رہی ہے، اب ان شاءالله تھوڑے دنوں میں بھلی کا کنکشن بحال کروں گا اور اب تم ایم۔ اے میں داخلہ کیوں نہ لے لو۔ میرا خیال ہے کہ تم کو اگلے سال ضرور داخل کراؤں۔“

عالیہ کا کچھ کست رہا تھا۔ آنسو پوچھ کر وہ خاموش بیٹھی رہی۔ جی ہی جی میں گھٹ رہی تھی مگر ایک لفڑی بھی نہ بول سکی۔ خدا آپ کو سکھ دے بڑے چھا، خدا آپ کے سارے سہانے خواب پورے کرے۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔ وہ بڑے چھا سے کس طرح کہتی کہ وہ تو یہاں سے خود بھاگ جانا چاہتی ہے۔

اسرار میاں بیٹھک میں داخل ہونے کے لیے پٹھول رہے تھے۔ عالیہ اٹھ کر صحن میں آگئی۔

اماں اور بڑی چھی جانے کیا باتیں کر رہی تھیں۔ جمیل بھی اب تک کری پر بیٹھے انگلیاں مردوز رہے تھے۔ وہ ایک لمحے تک آنگن میں کھڑی رہی اور پھر اوپر چلی گئی۔

شب نم سے بھیگی ہوئی رات بڑی روشن ہو رہی تھی۔ چاند جیسے وسط آسمان پر چک رہا تھا اور روز کی طرح آج بھی قریب کی کسی چھت پر گراموفون ریکارڈنگ رہے تھے۔ ”تیری گھڑی میں لا گا چور، مسافر جاگ ذرا“

وہ آہستہ آہستہ ٹھلنے لگی کیسی عجیب سی حالت ہو رہی تھی، جیسے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت کسی نے چھین لی ہو۔ کیا یہ میں ہوں؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور پھر اپنی آواز کر حیران رہ گئی۔ حد ہے دیوانگی کی وہ کس سے پوچھ رہی تھی۔

ٹھلتے ٹھلتے وہ ایک بار مڑی تو جمیل بھیابت کی طرح بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ وہ اور تیزی سے ٹھلنے لگی۔ اب یہ کیا کہنے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنا وعدہ بھلا دیا۔

”کیا صحیح تم نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟“ انہوں نے دیہرے سے پوچھا۔ ”ہاں!“ اس نے ٹھلتے ہوئے جواب دیا۔

”تم یہاں سے جا کر غلطی کرو گی۔ تم نے ایک بار کہا تھا ناں کہ دو رہ کر یادیں بہت اذیت ناک ہو جاتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم وہاں خوش نہ رہو گی۔“

”میں ہر جگہ خوش رہوں گی۔ مگر آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھ سے کبھی کچھ نہ کہیں گے۔“

”میں کیا کہ رہا ہوں؟“

”کچھ نہیں۔“

”تم میری مقروض ہو، یاد رکھنا کہ تم کو یہ قریض چکانا ہو گا۔“ وہ جانے کے لیے مڑے۔ ”تم وہاں خوش رہو گی ناں؟“ انہوں نے رُک کر پوچھا۔ وہ چپ رہی۔ جمیل بھیتا تھوڑی دیر کھڑے رہے اور پھر چلے گئے اور اس نے محسوس کیا کہ اس وقت وہ سب کچھ کھو چکھی ہے۔ بڑی دیر تک یوں ہی ملنے کے بعد جب وہ تھک گئی تو پچھتی کو خط لکھنے بیٹھ گئی، اسے یہاں سے جانے کی اطلاع دینی تھی۔

(آنگن)



مشق

1۔ مختصر جواب دیں:

(الف) خدیجہ مستور کا ناول ”آنگن“ کون سا ادبی ایوارڈ حاصل کر چکا ہے؟

(ب) ناول ”آنگن“ کس تناظر میں لکھا گیا ہے؟

(ج) ”مارے خوشی کے اماں سے نچلانہ بیٹھا جا رہا تھا۔“ اس جملے میں ”نچلانہ بیٹھا جا رہا تھا“ کا کیا مطلب ہے؟

(د) عالیہ کی ایسا نے بڑے چپا کو کون سے سخت الفاظ کہے؟

(ه) عالیہ نے بڑے چپا کی محبت میں کیا الفاظ ادا کیے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) سبق ”اور پاکستان بن گیا“ خدیجہ مسٹور کی تصنیف سے ماخذ ہے:

- (الف) تھیل (ب) بوچھار (ج) چندروز اور (د) آنگن

(ii) ”آنگن“ نشری اصناف ادب کے لحاظ سے ہے:

- (الف) ناول (ب) ڈراما (ج) داستان (د) افسانہ

(iii) سبق ”اور پاکستان بن گیا“ کا مرکزی نسوانی کردار ہے:

- (الف) عالیہ (ب) کریم باؤ (ج) عالیہ کی ماں (د) جمیل کی ماں

(iv) متن کے مطابق جمیل بھیانے تارکے بھیجا؟

- (الف) ماموں کو (ب) چچا کو (ج) دوست کو (د) چچی کو

(v) ہائی اسکول کے احاطے میں بسیرالینے والے پرندے مسلسل:

- (الف) بول رہے تھے (ب) شور مچار ہے تھے (ج) خاموش تھے (د) اڑ رہے تھے

(vi) ”تیری گھری میں لا گا چور، مسافر جاگ ذرا۔“ اس گیت کی آواز کہاں سے آ رہی تھی؟

- (الف) ریڈیو سے (ب) ٹیپ رکارڈ سے (ج) گراموفون سے (د) ٹیلی وژن سے

۳۔ متن کو مدد نظر رکھتے ہوئے مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) سب لوگ خاموش بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ..... کا خط آ گیا۔

(ب) جمیل بھیانے سر جھکا دیا اور..... کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ نہیں جاسکتی۔

(ج) کریم باؤ آج تو..... کی طرح چینے لگیں۔

(د) ہائی اسکول کے احاطے میں بسیرالینے والے مسلسل شور مچائے جا رہے تھے۔

(ه) مدھم روشنی میں ایک بڑی چچی اور کریم باؤ کے بگزرے بگزرے لگ رہے تھے۔

۴۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں:

انسانی معاشرے کا ایک اہم گوشہ حقوق نسوان کا ہے۔ اسلام نے حقوق نسوان واضح طور پر متعین فرمائیں کہ فرائض اور استفادے کو کبھی یقینی بنایا ہے۔ پوری دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی دوسری تہذیب نظر نہیں آتی جس نے مکمل طور پر عورت کے حقوق کی پاس داری کی ہو۔ اسلام نے خواتین کے حقوق و فرائض کا تعین کرتے ہوئے ان کے فرائض کی جہتوں کا تعین کر دیا ہے۔ ان کے فرائض ان کی بساط کے مطابق رکھے ہیں اور ان کی عزّت و عظمت کی حفاظت اور پاس داری کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ اسلام نے خواتین کو کسی معاش اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری سے مکمل طور پر آزاد کر کے متعلقہ مرد حضرات کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ عورت شادی سے قبل والد کی اور نکاح کے بعد شوہر کی کفالت میں آ جاتی ہے۔ اس کی تمام تربیادی ضروریات کی فرائیں ان مردوں پر لازم قرار دی گئی ہیں۔ عورت کو یہ بھی حق حاصل

ہے کہ آزادی سے عمومی تعلیم یا پیشہ و رانہ تعلیم و تربیت حاصل کرے، وہ اپنی مرضی سے ملازمت، مزدوری یا تجارت اختیار کر کے روزگار کما سکتی ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق مصرف میں لا سکتی ہے۔ اسلام خواتین کو ان کے بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی تیاری بناتا ہے اور ان کی خوراک، لباس اور رہائش کی فراہمی مرد حضرات پر عائد کرتا ہے۔ وہنے اسلام عورت کے اس مالی حق کی حفاظت کرتے ہوئے ان کو وراثت کا باقاعدہ حصہ دار بناتا ہے۔

آئین پاکستان میں بھی خواتین کے حقوق کے بارے میں بالکل واضح قوانین موجود ہیں جن سے پتا چلتا ہے ملک پاکستان اسلام کی روایت کے مطابق عورت کو اس کے بنیادی حقوق فراہم کرتا ہے اور اسی آئین کی روشنی میں وفاق اور صوبوں کی سطح پر حقوق نسوان کے حوالے سے مختلف قوانین بنائے گئے ہیں۔ ان میں بعض قوانین ایسے بھی ہیں جو قیام پاکستان سے پہلے بنے مگر قیام پاکستان کے بعد بھی ان کو جاری رکھا گیا اور بعض قیام پاکستان کے بعد ہی بنائے گئے۔ ان قوانین میں شادی شدہ خواتین کی جائیداد سے متعلق ۱۸۸۲ء کا ایک، کم سنی کی شادی کی ممانعت کا ایک ۱۹۲۹ء، مسلمان خاتون کا نصیحت نکاح ۱۹۳۹ء، مسلم فیصلی لازماً آرڈیننس ۱۹۶۱ء، حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء، تحفظ نسوان (وجوداری ایکٹ ۲۰۰۶ء)، ملازمت کی جگہ پر خواتین کو ہر اسال کرنے سے متعلق ایک ۲۰۱۰ء، خواتین کے خلاف اقدامات (ترمیم موجود ای قانون) ایک ۲۰۱۱ء اور پنجاب تحفظ نسوان بل ۲۰۱۶ء اتم قوانین ہیں جو کہ اس ملک میں انسانی بنیادی حقوق کے مطابق عورت کو اس کا جائز مقام اور حق دلانے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

سوالات:

- ”حقوق نسوان“ کے لغوی معنی کیا ہیں؟
- عبارت میں کون سے بنیادی انسانی حقوق بتائے گئے ہیں؟
- پاکستان میں ۱۸۸۲ء کا ایک کس امر سے متعلق ہے؟
- خواتین کی جائیداد سے متعلق کون سا ایکٹ ہے؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

ترکیب کے لحاظ سے جملے کے اجزاء:

الفاظ کا مجموعہ کلام، مرکب تام یا جملہ کہلاتا ہے۔ جملہ دو حصے کا ہوتا ہے ایک بے معنی اور دوسرا بامعنی۔ بامعنی جملے کو جملہ تام کہتے ہیں مثلاً: سبب میٹھا ہے۔ جملہ تام کے دو حصے ہوتے ہیں: وہ حصہ جس میں کسی شخص یا چیز کا ذکر ہوا ہے مسند الیہ اور جس شخص یا چیز کے بارے میں کچھ کہا جائے اسے مسند کہتے ہیں۔ اور کہ جملے میں ”سبب“، ”مسند الیہ“ اور ”میٹھا ہے“، ”مسند ہے“ جملے میں مسند الیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے جبکہ مسند کبھی اسم ہوتا ہے اور بھی فعل۔

جملے کی اقسام: جملے کی دو اہم اقسام درج ذیل ہیں: (i) جملہ اسمیہ (ii) جملہ فعلیہ

(الف) جملہ اسمیہ: ایسا جملہ جس میں مسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں اور آخر میں فعل ناقص آئے مثلاً: ارشد عقل مند ہے۔

(ب) جملہ فعلیہ: ایسا جملہ جس میں مُسند الیہ اسم ہو اور مُسند فعل ہو، مثلاً: لڑکا کھیلتا ہے۔

جملہ فعلیہ کے تین بڑے اجزاء قابل، مفعول اور فعلِ تام ہوتے ہیں۔ مُسند الیہ کو قابل، مُسند کو مفعول اور آخر میں آنے والے فعل کو فعلِ تام کہتے ہیں۔

لے۔ درج ذیل جملوں میں سے مُسند الیہ اور مُسند علیحدہ کریں:

- ارسلان نماز پڑھتا ہے۔ جانور صحبت مند ہے۔
- وہ صبح سویرے اٹھ جاتا ہے۔ طلبہ سکول گئے۔

۸۔ اس سبق میں سے پانچ جملہ اسمیہ اور پانچ جملہ فعلیہ تلاش کر کے کاپی میں لکھیں۔

ضرب المثل: ضرب کے معنی ہیں بیان کرنا اور مثال کے معنی ہیں مثال۔ ضرب المثل کے معنی ہوئے مثال دے کر بیان کرنا۔ ضرب المثل کو اردو میں مقولہ یا کہاوت بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ایسا جملہ ہے جو مثال کے طور پر پیش کیا جائے۔ اس جملے میں جو بات کہی جائے اسے عالم گیر سچائی (Universal Truth) کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ضرب الامثال یا کہاوت میں صدیوں کے تجربات اور انسانی زندگی کے لاتعداد مشاہدات کے جواہر پارے ہوتے ہیں اور انہیں علم و حکمت کا نچوڑ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً: آپ کاج مہا کاج، آئیں مجھے ماں، آج کا کام کل پرنہ چھوڑو، وغیرہ

درج ذیل ضرب الامثال کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:

جس کی لائھی اس کی بھیں	نہ نومن تیل ہو گا، نہ رادھانا پچے گی
دھونی کا کتنا نہ گھر کانہ گھاث کا	اپنا اپنا غیر غیر

۱۰۔ درج ذیل الفاظ پر درست اعراب لگائیں:

دارالحکومت دلدل امن انتظار مرحومہ مرودت تیوری سکنا

• درخواست نویسی:

اصطلاحاً درخواست و تحریر ہے جو کسی ماتحت یا عام آدمی کی طرف سے کسی مسئلے یا شکایت کے حل کے لیے متعلقہ افر کے نام لکھی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر کسی طالب علم کی اپنے ادارے کے پرنسپل کے نام درخواست لکھنا۔ درخواست مجازہ طریقہ کار کے مطابق لکھی جاتی ہے۔

درخواست کے حصے:

(الف) تناظر (ب) موضوع (ج) آداب (د) نفس مضمون (ه) اختتامیہ اور تاریخ

(ا) جماعت کے کمرے میں مناسب روشنی کے انتظام کے لیے پرنسپل کے نام درخواست لکھیے۔

۱۲۔ سبق ”اور پاکستان بن گیا“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- طلبہ اپنے استادِ محترم سے قیامِ پاکستان کے وقتِ ہجرت کے حالات کے بارے میں گفتگو کریں۔
- دوسرے عاقوں سے آنے والے طلبہ اپنے ساتھیوں کو بتائیں کہ اپنا گھر بارچھوڑ کے آنا کس قدر مشکل ہے۔ اپنے علاقے سے جذباتی لگاؤ کتنی بے قراری پیدا کرتا ہے۔ اسی تصور کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے بات چیت کریں اور اس موضوع پر بحث کریں کہ قیامِ پاکستان کے وقتِ مہاجرین نے ہندوستان میں اپنی جائیدادیں چھوڑیں، رشتہ دار چھوڑے تو اس وقت ان کے کیا جذبات ہوں گے۔
- تحریکِ آزادی کی اہم شخصیات کی اہم تصاویر تلاش کرتے ہوئے ایک البم تیار کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے موضوع پر لکھے گئے نیم جازی کے ناول ”خاک و خون“ کا مختصر تعارف کرائیں۔
- پاکستان کے حوالے سے لکھے گئے کسی افسانے کا مختصر تعارف کرائیں۔
- آزادی کی اہمیت کو واضح کریں۔





سعادت حسن منٹو

(۱۹۱۲ء۔ ۱۹۵۵ء)

سعادت حسن منٹو پاکستانی ادبیہ (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی گئے مگر اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو ادھورا چھوڑ کر عملی زندگی کا آغاز کیا۔

آل انڈیا ریڈیو لاہور اور بمبئی سے وابستہ ہوئے۔ کئی فلمی رسالوں کی ادارت کی اور فلموں کی کہانیاں اور مکالمے تحریر کیے۔ منٹو نے بعض ایسے سماجی، سیاسی اور فلسفی م موضوعات پر نہایت جرأت اور فنی نزاکت کے ساتھ قلم اٹھایا اور ایسی کہانیاں لکھنے میں کام یاب ہوئے جو صرف مندرجے ادیب کا خاصہ قرار دی جاسکتی ہیں۔ انھوں نے اردو افسانہ نگاری کو پر تکلف زبان سے نجات دلا کر بے تکلفی کی فضائے آشنا کیا۔ ان کی تحریروں کا اہم عصر حقیقت نگاری اور سچائی ہے۔

منٹو قیامِ پاکستان کے بعد بمبئی سے لاہور آگئے لیکن یہاں انھیں معاشری تنگ وستی کا سامنا کرتا پڑا۔ انھوں نے زندگی کو ایک بازی کی طرح کھیلا اور ہار کر بھی جیت گئے۔ اپنی بیس سالہ ادبی زندگی میں انھوں نے سیکڑوں کی تعداد میں افسانے اور ڈرامے یادگار چھوڑے۔ انھوں نے روایتی تصورات پر کاری ضرب لگائی۔ اگرچہ منٹو کی بے باک اور حقیقت پسندانہ تحریریں بہت سے حلقوں کو ناگوار بھی گزرتی تھیں۔ تاہم وہ اس بات کی پرواکیے بغیر کہ ”لوگ کیا کہیں گے“ بے باکانہ لکھتے رہے اور انھیں اس ضمن میں کئی عدالتی کارروائیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ مگر وہ اپنے معاشرے کی بے ہود گیوں اور منافقتوں کا پردہ چاک کرنے سے باز نہ آئے۔

سعادت حسن منٹو کی کہانیوں کے دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ ان کی تصانیف میں:

”سرگزشت ایبر“، ”آش پارے“، ”لڈت سنگ“، ”چغد“، ”مرود کی خدائی“، ”گنجے فرشتے“، اور ”لاوڈ پیکر“، وغیرہ شامل ہیں۔



نیا قانون^(۱)

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو ادبی زبان اور اسلوب سے واقف کرنا۔
- منشوی حقیقت تکاری اور مختلف سماجی، سیاسی مسائل کی پیش کش سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ میں تنقیدی اور تخلیقی صلاحیتیں پیدا کرنا۔
- منشوی افسانوی کرداروں کے ثابت اور منفی پہلوؤں پر روشنی ڈالنا۔
- طلبہ کو استعاریت اور استعاری تہذینہوں سے آگاہ کرنا۔

منگو کو چوان اپنے اڑے میں بہت عقلی مند سمجھا جاتا تھا۔ گواں کی تعلیمی حیثیت صفر کے برابر تھی اور اس نے کبھی اسکول کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے باوجود اسے دنیا بھر کی چیزوں کا علم تھا۔ اڑے کے وہ تمام کو چوان، جن کو یہ جانے کی خواہش ہوتی تھی کہ دنیا کے اندر کیا ہو رہا ہے، استاد منگو کی وسیع معلومات سے اچھی طرح واقف تھے۔

پہلے دنوں جب استاد منگو نے اپنی ایک سواری سے پین میں جنگ چھڑ جانے کی افواہ سنی تھی تو اس نے گام چودھری کے چوڑے کا ندھر پر تھکلی دے کر مدد انداز میں پیشیں گئی کی تھی: ”دیکھ لینا چودھری! اتحوڑے ہی دنوں میں پین میں جنگ چھڑ جائے گی۔“ اور جب گام چودھری نے اس سے یہ پوچھا کہ اپین کہاں واقع ہے تو استاد منگو نے بڑی ممتازت سے جواب دیا تھا۔ ”ولایت میں اور کہاں؟“ پین میں جنگ چھڑی اور جب ہر شخص کو اس کا پتا چل گیا تو اسٹیشن کے اڑے میں جتنے کو چوان حلقہ بنائے تھے پر رہے تھے، دل ہی دل میں استاد منگو کی بڑائی کا اعتراف کر رہے تھے اور استاد منگو اس وقت مال روڈ کی چمکیلی سڑپر تازگا چلاتے ہوئے اپنی سواری سے تازہ ہندو مسلم فساد پر تبادلہ خیال کر رہا تھا۔

استاد منگو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس کا سبب تو وہ یہ بتایا کرتا تھا کہ وہ ہندوستان پر اپنا سکھ چلاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں مگر اس کے تنفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اُسے بہت ستایا کرتے تھے۔ وہ اُس کے ساتھ ایسا اسلوب کرتے تھے گویا وہ ایک ذلیل گھٹتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ان کا رنگ بھی بالکل پسند نہ تھا۔ جب بھی وہ گورے کے سرخ و پید چہرے کو دیکھتا تو اسے مغلی سی آجائی۔ نامعلوم کیوں وہ کہا کرتا تھا کہ ان کے لال جھریوں بھرے چہرے کو دیکھ کر مجھے وہ لاش یاد آ جاتی ہے جس کے جسم پر سے اوپر کی جھلکیں گل گل کر جھوڑ رہی ہو۔

جب کسی نئے میں دھت گورے سے اس کا جھگڑا ہو جاتا تو سارا دن اس کی طبیعت ملکہ رہتی اور وہ شام کو اڑے میں آ کر مل مار کر سگریٹ پیتا یا لختے کے کش لگاتے ہوئے اس گورے کو جھر کر سنایا کرتا۔ ”..... یہ موٹی گالی دینے کے بعد وہ اپنے سر کو ڈھیلی گزدی

(۱) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء جو ۲۷ اپریل ۱۹۳۵ء سے نفاذ عمل ہوا۔

سمیت جھنکا دے کر کہتا تھا: ”آگ لینے آئے تھے اب گھر کے مالک ہی بن گئے ہیں۔ ناک میں دم کر رکھا ہے ان بندروں کی اولاد نے۔ یوں رعب گانٹھتے ہیں گویا ہم ان کے باوا کے نوکر ہیں۔“ اس پر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ جب تک اس کا کوئی ساتھی اس کے پاس بیٹھا رہتا وہ اپنے سینے کی آگ اگھتا رہتا: ”شکل دیکھتے ہونا تم اس کی جیسے کوڑھ ہو رہا ہے۔ بالکل مردار، ایک دچپے کی مار اور گھٹ پٹ، گھٹ پٹ یوں بک رہا تھا جیسے مارہی ڈالے گا۔ تیری جان کی قسم، پہلے پہل جی میں آئی کہ ملعون کی کھوپڑی کے پُرزے اڑاؤں لیکن اس خیال سے ٹل گیا کہ اس مردوں کو مارنا اپنی ہٹک ہے۔“ یہ کہتے کہتے تھوڑی دیر کے لیے وہ خاموش ہو جاتا اور ناک کو خاکی قمیص کی آستین سے صاف کرنے کے بعد پھر بڑھانے لگ جاتا۔ ”قسم ہے بھگوان کی، ان لاث صاحبوں کے ناز اٹھاتے اٹھاتے ٹنگ آگیا ہوں۔ جب بھی ان کا منجھوں چہرہ دیکھتا ہوں رگوں میں خون کھونے لگ جاتا ہے۔ کوئی نیا قانون و انون بنے تو ان لوگوں سے نجات ملے۔ تیری قسم! جان میں جان آجائے۔“

اور جب ایک روز استاد منگو نے کچھری سے اپنے تانگے پر دوساریاں لادیں اور ان کی گفتگو سے اس کو پتا چلا کہ ہندوستان میں جدید آئین نافذ ہونے والا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انہتائی رہی۔

دو ماہ اڑی جو کچھری میں اپنے دیوانی مقدمے کے سلسلے میں آئے تھے، گھر جاتے ہوئے جدید آئین یعنی انڈیا ایکٹ کے متعلق آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ ”ناہے پہلی اپریل سے ہندوستان میں نیا قانون چلے گایا ہر چیز بدل جائے گی؟“ ”ہر چیز تو نہیں بدلتے گی مگر کہتے ہیں کہ بہت کچھ بدل جائے گا۔ اور ہندوستانیوں کو آزادی مل جائے گی۔“

”کیا بیان کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہو گا؟“

”یہ پوچھنے کی بات ہے، کل کسی وکیل سے دریافت کریں گے۔“

ان ماہ اڑیوں کی بات چیت استاد منگو کے دل میں ناقابل بیان خوشی پیدا کر رہی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے کو ہمیشہ گالیاں دیتا تھا اور چاک سے بہت بڑی طرح پینا کرتا تھا مگر اس روز وہ بار بار چیچھے مژہ کر مارواڑیوں کی طرف دیکھتا اور اپنی بڑھی ہوئی موچھوں کے بال ایک انگلی سے بڑی صفائی کے ساتھ اوپنچ کر کے گھوڑے کی پیٹھ پر باگیں ڈھیلی کرتے ہوئے بڑے پیار سے کہتا: ”چل بینا! اڑا ہوا سے با تین کر کے دکھا دے۔“

مارواڑیوں کو ان کے شکانے پر پہنچا کر اس نے انارکلی میں دینو طوالی کی دکان پر آدھ سیر دی کی لئی پی کر ایک بڑی ڈکاری اور موچھوں کو منہ میں دبا کر ان کو چوستے ہوئے ایسے ہی بلند آواز میں کہا: ”ہت تیری ایسی کی تیسی!“

شام کو جب وہ اڑے کو لوٹا تو خلافِ معمول اسے وہاں اپنی جان پہچان کا کوئی آدمی نہ مل سکا۔ یہ دیکھ کر اس کے سینے میں ایک عجیب و غریب طوفان برپا ہو گیا۔ آج وہ ایک بڑی خبر اپنے دوستوں کو سنانے والا تھا۔ بہت بڑی خبر، اور اس خبر کو اپنے اندر سے نکالنے کے لیے وہ سخت مجبور تھا لیکن وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔

آدھ گھنٹے تک وہ چاک بغل میں دبائے اسٹیشن کے اڑے کی آہنی چھٹ کے نیچے بے قراری کی حالت میں ٹھلتا رہا۔ اس کے دماغ

میں بڑے اچھے اچھے خیالات آرہے تھے۔ نئے قانون کے نفاذ کی خبر نے اس کو ایک نئی دنیا میں لاکھڑا کر دیا تھا۔ وہ اس نئے قانون کے متعلق جو پہلی اپریل کو ہندوستان میں نافذ ہونے والا تھا، اپنے دماغ کی تمام بقیا روشن کر کے غور و فکر کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں مارواڑی کا یہ اندریشہ: ”کیا بیاج کے متعلق بھی کوئی نیا قانون پاس ہو گا؟“ بار بار گونج رہا تھا اور اس کے تمام جسم میں مزت کی ایک لہر دوڑا رہا تھا۔ وہ بے حد سرور تھا۔ خاص کر اس وقت اس کے دل کو بہت ٹھنڈک پہنچی جب وہ خیال کرتا کہ گوروں، سفید چوہوں (وہ ان کو اسی نام سے یاد کیا کرتا تھا) کی تھوڑنیاں نئے قانون کے آتے ہیں میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گی۔

جب تھوڑا گنجائی بغل میں دبائے اڈے میں داخل ہوا تو استاد منگو بڑھ کر اس سے ملا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بلند آواز سے کہنے لگا: ”لا ہاتھ ادھر۔۔۔ ایسی خبر سناؤں کہ جی خوش ہو جائے۔ تیری اس گنجی کھوپڑی پر بال اُگ آئیں۔“ اور یہ کہ کر منگونے بڑے مزے لے کر نئے قانون کے متعلق اپنے دوست سے با تین شروع کر دیں۔ دورانِ گفتگو میں اس نے کئی مرتبہ تھوڑے گنجے کے ہاتھ پر زور سے اپنا ہاتھ مار کر کہا: ”ٹوڈیکھتا رہ کیا بنتا ہے، یہ ”روس والا بادشاہ“ کچھ نہ کچھ ضرور کر کے رہے گا۔“

استاد منگو موجودہ سوویت نظام کی اشتراکی سرگرمیوں کے متعلق بہت کچھ سن چکا تھا اور اسے وہاں کے نئے قانون اور دوسرا نئی چیزیں بہت پسند تھیں، اسی لیے اس نے روس والے بادشاہ کو ”انڈیا ایکٹ“ یعنی جدید آئین کے ساتھ ملا دیا اور پہلی اپریل کو پرانے نظام میں تبدیلیاں پیدا ہونے والی تھیں وہ انھیں ”روس والے بادشاہ“ کے اثر کا نتیجہ سمجھتا تھا۔

کچھ عرصے سے پشاور اور دیگر شہروں میں سرخ پوشوں کی تحریک جاری تھی۔ استاد منگونے اس تحریک کو اپنے دماغ میں ”روس والے بادشاہ“ اور پھر نئے قانون کے ساتھ خلط ملٹ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ جب کبھی وہ کسی سے سنتا کہ فلاں شہر میں اتنے بہ ساز پکڑے گئے ہیں یا فلاں جگہ اتنے آدمیوں پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلا یا گیا ہے تو ان تمام واقعات کو نئے قانون کا پیش خیمه سمجھتا اور دل ہی دل میں بہت خوش ہوتا۔

ایک روز اس کے نالگے میں دو بیرونی بیٹھے نئے آئین پر بڑے زور سے تباولہ خیال کر رہے تھے اور وہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہ رہا تھا: ”جدید آئین کا دوسرا حصہ فیڈریشن ہے جو میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آسکا۔ ایسی فیڈریشن دنیا کی تاریخ میں آج تک نہ سنی، نہ دیکھی گئی۔ سیاسی نظریے کے اعتبار سے بھی یہ فیڈریشن بالکل غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ کوئی فیڈریشن ہے ہی نہیں۔“

ان بیرونیوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی چوں کہ اس میں بیشتر الفاظ انگریزی کے تھے۔ اس لیے استاد منگو صرف اوپر کے جملے ہی کو کسی قدر سمجھا اور اس نے خیال کیا یہ لوگ ہندوستان میں نئے قانون کی آمد کو برآ سمجھتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کا دھن آزاد ہو۔ چنان چہ اس خیال کے زیر اثر اس نے کئی مرتبہ ان دو بیرونیوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھ کر دل ہی دل میں کہا: ”ٹوڈی بچے!“

جب کبھی وہ کسی کو دبی زبان میں ”ٹوڈی بچہ“ کہتا تو دل میں یہ محسوس کر کے بڑا خوش ہوتا تھا کہ اس نے اس نام کو صحیح جگہ استعمال کیا ہے، اور یہ کہ وہ شریف آدمی اور ”ٹوڈی بچے“ میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

اس واقعے کے تیرے روزگور نہست کالج کے تین طلبہ کو اپنے تانگے میں بٹھا کر مزونگ جا رہا تھا کہ اس نے ان تین لڑکوں کو آپس میں یہ باتیں کرتے سنا: ”نئے آئین نے میری امیدیں اور بڑھادی ہیں اگر۔۔۔ صاحب اُسیلی کے ممبر ہو گئے تو کسی سرکاری دفتر میں مازمت ضرور مل جائے گی۔“

”ویسے بھی بہت سی جگہیں نکلیں گی۔ شاید اسی گز بڑی میں ہمارے ہاتھ بھی کچھ آجائے۔“
”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“

”وہ بے کار گریجویٹ جو مارے مارے پھر رہے ہیں، ان میں کچھ تو کمی ہو گی۔“

اس گفت گونے استاد منگو کے دل میں جدید آئین کی اہمیت اور بھی بڑھادی اور وہ اس کو ایسی ”چیز“ سمجھنے لگا جو بہت چمکتی ہو۔ ”نیا قانون!“ اور وہ دن میں کئی بار سوچتا، یعنی کوئی نئی چیز! اور ہر بار اس کی نظر وہ کے سامنے اپنے گھوڑے کا وہ ساز آ جاتا جو اس نے دو برس ہوئے چودھری خدا بخش سے بڑی اچھی طرح ٹھونک بجا کر خریدا تھا۔ اس ساز پر، جب وہ نیا تھا، جگہ جگہ لوہے کی نکل چڑھی ہوئی کیلیں چمکتی تھیں اور جہاں جہاں پیش کا کام تھا وہ تو سونے کی طرح دکھتا تھا۔ اس لحاظ سے بھی ”نئے قانون“ کا درخشاں و تاباں ہونا ضروری تھا۔ پہلی بار اپریل تک استاد منگو نے جدید آئین کے خلاف اور اس کے حق میں بہت کچھ سنائیں گے اس کے متعلق جو تصور وہ اپنے ذہن میں قائم کر چکا تھا، بدل نہ سکا۔ وہ سمجھتا تھا کہ پہلی اپریل کو نئے قانون کے آتے ہی سب معاملہ صاف ہو جائے گا اور اس کو یقین تھا کہ اس کی آمد پر جو چیزیں نظر آئیں گی ان سے اس کی آنکھوں کو ضرور بخندک پہنچے گی۔

آخر کارما روچ کے اکتیس دن ختم ہو گئے اور اپریل کے شروع ہونے میں رات کے چند غاموش گھنٹے باقی رہ گئے۔ موسم خلافِ معمول سرد تھا اور ہوا میں تازگی تھی۔ پہلی اپریل کو صبح سویرے استاد منگو اٹھا اور اصلی میں جا کر گھوڑے کو جوتا اور باہر نکل گیا۔ اس کی طبیعت آج غیر معمولی طور پر مسرور تھی۔ وہ نئے قانون کو دیکھنے والا تھا۔

اس نے صبح کے سر دو ہنڈ لے میں کئی ٹنگ اور کھلے بازاروں کا چکر لگایا مگر اسے ہر چیز پرانی نظر آئی۔ آسمان کی طرح پرانی۔ اس کی نگاہیں آج خاص طور پر نیارنگ دیکھنا چاہتی تھیں مگر سوائے اس کلفتی کے جو رنگ برنگ کے پروں سے بنی تھی اور اس کے گھوڑے کے سر پر جبی ہوئی تھی اور سب چیزیں پرانی نظر آتی تھیں۔ یہی کلفتی اس نے نئے قانون کی خوشی میں ۳۱ مارچ کو چودھری خدا بخش سے سازھے چودہ آنے میں خریدی تھی۔

گھوڑے کی ناپوں کی آواز کالی سرک اور اس کے آس پاس تھوڑا تھوڑا فاصلہ چھوڑ کر لگائے ہوئے بجلی کے کھمبے، دوکان کے بورڈ، اس کے گھوڑے کے گلے میں پڑے ہوئے گھنگھرو کی جھنجھنا ہٹ، بازار میں چلتے پھرتے آدمی۔۔۔ ان میں سے کون سی چیز نئی تھی؟، ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں۔ لیکن استاد منگو مایوس نہیں تھا۔

”ابھی بہت سویرا ہے۔ دکانیں بھی تو سب کی سب بند ہیں۔“ اس خیال سے اسے تسلیم تھی۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی سوچتا تھا: ”ہائی کورٹ میں نوبجے کے بعد ہی کام شروع ہوتا ہے۔ اب اس سے پہلے نئے قانون کا کیا نظر آئے گا؟“

جب اس کا تازگا گورنمنٹ کالج کے دروازے کے قریب پہنچا تو کالج کے گھریوال نے بڑی رعونت سے نو بجائے۔ جو طلبہ کالج کے بڑے دروازے سے باہر نکل رہے تھے خوش پوش تھے، مگر استاد منگو کو نہ جانے ان کے کپڑے میلے سے کیوں نظر آئے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی، کہ اس کی نگاہیں آج کسی خیرہ کن جلوے کا نظارہ کرنے والی تھیں۔

تالگے کو دائیں ہاتھ موز کروہ تھوڑی دیر کے بعد پھر انارکلی میں تھا۔ بازار کی آدمی دکانیں کھل چکی تھیں اور اب لوگوں کی آمد و رفت بھی بڑھ گئی تھی۔ حلواںی کی دکانوں پر گاہکوں کی خوب بھیڑ تھی۔ مہنگاری والوں کی نمائش چیزیں شیشے کی الماریوں میں لوگوں کو دعوت نظارہ دے رہی تھیں اور بجلی کے تاروں پر کئی کبوتر آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ مگر استاد منگو کے لیے ان تمام چیزوں میں کوئی دل چسپی نہ تھی۔ وہ نئے قانون کو دیکھنا چاہتا تھا۔ تھیک اسی طرح جس طرح وہ اپنے گھوڑے کو دیکھ رہا تھا۔

کچھ بھی ہو مگر استاد منگو نئے قانون کے انتظار میں اتنا بے قرار نہیں تھا جتنا کہ اسے اپنی طبیعت کے لحاظ سے ہونا چاہیے تھا۔ وہ آج نئے قانون کو دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ تھیک اسی طرح جیسے گاندھی یا جواہر لال کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے نکلا کرتا تھا۔

لیڈروں کی عظمت کا اندازہ استاد منگو ہمیشہ ان کے جلوس کے ہنگاموں اور ان کے گلے میں ڈالے ہوئے پھولوں کے ہاروں سے کیا کرتا تھا۔ اگر کوئی لیڈر گیندے کے پھولوں سے لداہ تو استاد منگو کے نزدیک وہ بڑا آدمی تھا اور اگر کسی لیڈر کے جلوس میں بھیڑ کے باعث دو تین فساد ہوتے ہوئے رہ جائیں تو اس کی نگاہوں میں وہ اور بھی بڑا تھا۔ اب نئے قانون کو وہ اپنے ذہن کے اسی ترازو میں تو لانا چاہتا تھا۔

انارکلی سے نکل کر وہ مال روڈ کی چمکیلی سطح پر اپنے تالگے کو آہستہ آہستہ چلا رہا تھا کہ موڑوں کی دکان کے پاس اسے چھاؤنی کی ایک سواری مل گئی۔ کرایہ طے کرنے کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو چاکب دکھایا اور دل میں یہ خیال کیا: ”چلو یہ بھی اچھتا ہوا۔ شاید چھاؤنی ہی سے نئے قانون کا کچھ پتا چل جائے۔“

وہ نئے قانون کی موجودگی میں میونپل کمیٹی سے تالگوں کے نمبر ملنے کے طریقے پر غور کر رہا تھا اور اس قابل غور بات کو آئینے جدید کی روشنی میں دیکھنے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ اس سوچ بچار میں غرق تھا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے کسی سواری نے اسے بلا یا ہے۔ پیچھے پلت کر دیکھنے سے اسے سڑک کے اس طرف دو بجلی کے کھبے کے پاس ایک ”گورا“ کھڑا نظر آیا جو اسے ہاتھ سے بگار رہا تھا۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے استاد منگو کو گوروں سے بے حد نفرت تھی۔ جب اس نے اپنے تازہ گاپک کو گورے کی شکل میں دیکھا تو اس کے دل میں نفرت کے جذبات بیدار ہو گئے۔ پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ بالکل توجہ نہ دے اور اس کو چھوڑ کر چلا جائے مگر بعد میں اس کو خیال آیا ان کے پیسے چھوڑنا بھی بے قوفی ہے۔ کافی پر جو مفت میں ساڑھے چودہ آنے خرچ کر دیے ہیں ان کی جیب ہی سے وصول کرنے چاہیں۔

”چلو چلتے ہیں۔“

خالی سڑک پر بڑی صفائی سے تازگا موز کراں نے گھوڑے کو چاکب دکھایا اور آنکھ جھکنے میں وہ بجلی کے کھبے کے پاس تھا۔ گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اس نے تازگا تھہرا یا اور پچھلی نشت پر بیٹھے بیٹھے گورے سے پوچھا:

”صاحب بہادر! کہاں جاتا ناگٹھا ہے؟“

اس سوال میں بلا کاظریہ انداز تھا۔ صاحب بہادر کہتے وقت اس کا اوپر کاموچھوں بھرا ہوت نیچے کی طرف کھنچ گیا اور پاس ہی گال کے اس طرف جو مدھمی لکیرناک کے نتھنے سے ٹھوڑی کے بالائی حصے تک چلی آ رہی تھی، ایک لرزش کے ساتھ گہری ہو گئی گویا کسی نے نوکیلے چاقو سے شیشم کی سانوی لکڑی میں دھاری ڈال دی ہے۔ اس کا چہرہ ہنس رہا تھا اور اپنے اندر اس نے اس ”گورے“ کو سینے کی آگ میں جلا کر بھسم کر ڈالا تھا۔

استاد منگو جو اپنے دائیں ہاتھ سے باگ کے بلکھوں کرتا نگے پر سے نیچے اترنے والا تھا اپنے سامنے کھڑے گورے کو یوں دیکھ رہا تھا گویا وہ اس کے وجود کے ذریعے ذریعے کو اپنی نگاہوں سے چبارہا ہے اور گورا کچھ اس طرح اپنی نیلی پتلوں پر سے غیر مریٰ چیزیں جھاڑ رہا ہے گویا وہ استاد منگو کے اس جملے سے اپنے وجود کے کچھ حصے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

گورے نے سکریٹ کا دھواں نکلتے ہوئے کہا: ”جانا مانگنا یا پھر گڑ بڑ کرے گا؟“

”وہی ہے۔“ یہ الفاظ استاد منگو کے ذہن میں پیدا ہوئے اور اس کی چوڑی چھاتی کے اندر ناچنے لگے۔

”وہی ہے۔“ اس نے یہ الفاظ اپنے منہ کے اندر ہی اندر دھرائے اور ساتھ ہی اسے پورا لیکھن ہو گیا کہ وہ گورا جو اس کے سامنے کھڑا تھا وہی ہے جس سے پچھلے برس اس کی جھڑپ ہوئی تھی اور خواہ مخواہ کے جھگڑے میں جس کا باعث گورے کے دماغ میں چڑھا ہوا نہ تھا۔ اسے طوعاً و کرہاً بہت سی باتیں سہنا پڑی تھیں۔ استاد منگو نے گورے کا دماغ درست کر دیا ہوتا بلکہ اس کے پر زے اڑا دیے ہوتے تھے مگر وہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر خاموش ہو گیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ اس قسم کے جھگڑوں میں عدالت کا نزلہ عام طور پر کوچوانوں ہی پر گرتا ہے۔

استاد منگو نے پچھلے برس کی بڑائی اور پہلی اپریل کے نئے قانون پر غور کرتے ہوئے گورے سے کہا۔ ”کہاں جانا مانگنا ہے؟“

استاد منگو کے لبجے میں چاکب جیسی تیزی تھی۔

گورے نے جواب دیا۔ ”لکسائی“

”کرایہ پانچ روپے ہو گا۔“ استاد منگو کی مopicھیں تھر تھرائیں۔

یہ سن کر گورا حیران ہو گیا۔ وہ چلایا! ”پانچ روپے۔ کیا تم۔۔۔؟“

”ہاں، ہاں، پانچ روپے۔“ یہ کہتے ہوئے استاد منگو کا داہنا بالوں بھرا ہاتھ بھنچ کر ایک وزنی گھونے کی شکل اختیار کر گیا۔ ”کیوں، جاتے ہو یا بے کار باتیں بناؤ گے؟“ استاد منگو کا لبجے زیادہ سخت ہو گیا۔

گورا پچھلے برس کے واقعے کو پیش نظر رکھ کر استاد منگو کے سینے کی چوڑائی کو نظر انداز کر چکا تھا۔ وہ خیال کر رہا تھا کہ اس کی کھوپڑی پھر کھجلا رہی ہے۔ اس حوصلہ افزای خیال کے زیر اثر وہ تانگے کی طرف اکڑ کر بڑھا اور اپنی چھڑی سے استاد منگو کو تانگے پر سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ بیدکی یہ پاش کی ہوئی پتلی چھڑی استاد منگو کی موٹی ران کے ساتھ دو تین مرتبہ چھوٹی۔ اس نے کھڑے کھڑے اوپر سے پستہ قدم گورے کو دیکھا۔ گویا وہ اپنی نگاہوں کے وزن ہی سے اسے بس ڈالنا چاہتا ہے۔ پھر اس کا گھونسہ کمان میں سے تیر کی طرح سے اوپر کو اٹھا اور چشم زدن میں گورے کی ٹھہڑی کے نیچے جم گیا۔ دھکا دے کر اس نے گورے کو پرے ہٹایا اور نیچے گرا کر اسے دھڑا دھڑ پیٹنا شروع کر دیا۔

ششدرو متھر گورے نے ادھر ادھر سمت کر استاد منگو کے وزنی گھونسوں سے بچنے کی کوشش کی اور جب دیکھا کہ اس کے مخالف پر دیوانگی کی تی حالت طاری ہے اور اس کی آنکھوں میں شرارے برس رہے ہیں تو اس نے زور زور سے چلانا شروع کیا۔ اس چیخ پکارنے استاد منگو کی بانہوں کا کام اور بھی تیز کر دیا جو گورے کو جی بھر کے پیٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ کہتا جاتا تھا: ”پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں۔۔۔ پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑفوں۔ اب ہمارا راج ہے بچہ!“

لوگ جمع ہو گئے اور پولیس کے دوسارے ہیوں نے بڑی مشکل سے گورے کو استاد منگو کی گرفت سے چھڑایا۔ استاد منگو ان دوسارے ہیوں کے درمیان کھڑا تھا۔ اس کی چوڑی چھاتی پھولی سانس کی وجہ سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ منہ سے جھاگ بہ رہا تھا اور اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے حیرت زده جمیع کی طرف دیکھ کر وہ ہاپتی ہوئی آواز میں کہ رہا تھا:

”وہ دن گزر گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ اب نیا قانون ہے میاں۔ نیا قانون!“

اور بے چارہ گورا اپنے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ بے وقوف کی مانند بھی استاد منگو کی طرف دیکھتا تھا اور بھی ہجوم کی طرف۔ استاد منگو کو پولیس کے سپاہی تھانے میں لے گئے۔ راستے میں اور تھانے کے اندر کمرے میں وہ ”نیا قانون، نیا قانون، نیا قانون“ چلاتا رہا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔

”نیا قانون، نیا قانون! کیا بک رہے ہو؟ قانون وہی ہے پرانا!“

اور اس کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

(فانہ منشو کے)



مشق

1۔ مختصر جواب دیں:

- (الف) استاد منگو کی انسدادیت تھی؟
- (ب) ”دیکھ لینا چودھری! تھوڑے ہی دنوں میں پین میں جنگ چھڑ جائے گی۔“ یہ بات کس نے کی؟
- (ج) استاد منگو کو انگریزوں سے نفرت کیوں تھی؟
- (د) ”آگ لینے آئے تھے اب گھر کے مالک ہی بن گئے ہیں۔ ناک میں دم کر رکھا ہے ان بندروں کی اولاد نے۔ یوں رعب گا نہتھے ہیں گویا ہم ان کے باوا کے نوکر ہیں۔“ متن کے مطابق منگو نے یہ باتیں کس تناظر میں کیں؟
- (ه) منگو نے قانون کے بارے میں کیا سوچ رکھتا تھا؟
- (و) منگو کے نزدیک بڑے لیدر کا کیا معیار تھا؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) منگو نے کس ملک کی اڑائی کی پیشین گئی کی؟

(الف) پین (ب) برطانیہ (ج) فرانس (د) روس

(ii) ”نیا قانون“، اصنافِ ادب کے لحاظ سے ہے:

(الف) ناول (ب) ڈراما (ج) داستان (د) افسانہ

(iii) دیوانی مقدمے کے سلسلے میں آئے تھے:

(الف) انگریز (ب) مارواڑی (ج) کوچوان (د) بنگالی

(iv) کس کی گفتگو نے استاد منگو کے دل میں جدید آئین کی اہمیت اور بڑھاوی؟

(الف) انگریز کی (ب) ایک کوچوان کی (ج) طلبہ کی (د) بیرسٹر کی

(v) ”ابھی کنوں کھو دا نہیں گیا اور تم پیاس سے نہ حال ہو رہے ہو۔“ یہ بات کون کہتا تھا؟

(الف) منگو (ب) منگو کی بیوی (ج) نہتو گنجنا (د) چودھری

۳۔ متن کو مددِ نظر رکھتے ہوئے مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) استاد منگو کو سے بڑی نفرت تھی۔

(ب) ہر چیز تو نہیں بد لے گی مگر کہتے ہیں کہ بہت کچھ بدل جائے گا اور کو آزادی مل جائے گی۔

(ج) کچھ عرصے سے پشاور اور دیگر شہروں میں کی تحریک جاری تھی۔

(د) اس گفتگو نے استاد منگو کے دل میں جدید کی اہمیت اور بھی بڑھادی۔

(ه) ایسے موقعوں پر اس کا گھوڑا تھوڑا سا کے بعد بڑی دشمنی چال چلانا شروع کر دیتا تھا۔

(و) گورا پچھلے برس کے واقعہ کو پیش نظر کر کر استاد منگو کے سینے کی چوڑائی کو نظر کر چکا تھا۔

۴۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھئے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

جس طرح پوری کائنات کا نظام قانونِ قدرت کے تحت چل رہا ہے مثلاً: سورج اور چاند ستاروں کا طلوع و غروب، موسموں کا تغیر و تبدل، فصلوں کا پکنا وغیرہ سب ایک قانون کے تابع ہیں، اسی طرح معاشرے کی فلاج و بہبود، امن و امان اور ترقی و خوش حالی کے لیے بھی انسانوں نے قوانین ترتیب دیے ہوئے ہیں۔ ان قوانین پر عمل پیرا ہونے سے معاشرے کے افراد کو بھی راحت ملتی ہے اور معاشرہ بھی مہذب بن جاتا ہے۔ کسی معاشرے میں افراطی، بد امنی اور بے سکونی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے افراد قانون شکنی کے مرتكب ہوتے ہیں۔ جب قانون شکن گرفت میں آتے ہیں تو ایک طرف ان کی ذاتی زندگی پیچیدگیوں کا شکار ہوتی ہے تو دوسری طرف اس سے ملک افراد اور معاشرہ بھی اپنا وقار کھونے لگتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم قانون کی گرفت میں آنے کے خوف سے اس پر عمل کریں، ہمیں چاہیے کہ سماجی قدروں کو

فرود دیتے ہوئے دل سے قانونی تقاضوں کا احساس کریں اور ایک مہذب معاشرہ تشكیل دیں۔ ترقی یا فتح ممالک کی نسبت ہمارے ملک میں شرح خواندگی بہت کم ہے۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ قوانین پر عمل کرنے کا شعور نہیں رکھتے۔ ہمیں اپنے اردو گرد جہاں زندگی کے دیگر شعبوں میں بے ضابطگیاں نظر آتی ہیں وہاں بد قسمتی سے ٹریفک کے قوانین پر عمل کرنے کے شعور کے فقدان کا بھی سامنا ہے۔ قانونی چیزیں گیوں سے قطع نظر، اگر ہم اخلاقی نقطہ نظر سے بھی دیکھیں تو ٹریفک قوانین کی پابندی کرنا نہایت ضروری ہے۔ انھیں نظر انداز کرنے سے معاشرتی صورتِ حال بگڑنے کے علاوہ قیمتی جانیں بھی ضائع ہوتی ہیں۔ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی روکنے کے لیے نہ صرف ٹریفک پولیس ذمہ داری کا مظاہرہ کرے بلکہ عوام انس میں بھی احساسِ ذمہ داری پیدا ہونا چاہیے۔ پیدل چلنے والے سڑک پار کرتے وقت زیر اکراں کا استعمال کریں، سائیکل اور موٹرسائیکل کے باخیں جانب چلیں، حیرفتار کو ملوٹ خاطر رکھیں اور وون وینگ جیسے جرم کا کسی صورت بھی ارتکاب نہ کریں۔ لائٹ ٹرانسپورٹ ویکل (LTV) اور ہیوی ٹرانسپورٹ ویکل (HTV) استعمال کرنے والے ڈرائیور نہ صرف اپنی اپنی لین میں گاڑی چلا کیں بلکہ جو زہ رفتار کا بھی خیال رکھیں اور اور لوڈنگ ہرگز نہ کریں۔ سائیکل، موٹرسائیکل، کار اور تمام چھوٹی بڑی گاڑیوں کے ڈرائیور ٹریفک کے اشاروں کا خاص خیال رکھیں۔ ان تمام اقدامات سے یقیناً ہم ٹریفک کی بے ہنجم صورتِ حال پر قابو پاسکتے ہیں۔

سوالات:

- عبارت کے مطابق قانونِ قدرت کی کیا کیا مثالیں ہیں؟ ● معاشرہ مہذب کیسے بتا ہے؟
- ٹریفک قوانین کو نظر انداز کرنے کے کیا تقصیان ہیں؟ ● ہمارے معاشرے میں لوگ قوانین پر عمل کرنے کا شعور کیوں نہیں رکھتے؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

زبان شناسی

۵۔ واحد جمع اور تذکیرہ تانیث کو مدد نظر رکھتے ہوئے جملوں کو درست کر کے لکھیں۔

درست جملے	غلط جملے
	یہاں ہر امر اغش کا علاج ہوتا ہے۔
	اسے ابھی تک ہوش نہیں آئی۔
	میں نے ہر ممالک کی سیر کی ہے۔
	لوگ گھری غاروں میں رہتے تھے۔
	فٹ بال میری پسندیدہ کھیل ہے۔
	رات میں نے ایک خواب دیکھی۔
	میری قلم کہاں ہے؟
	رابعہ یہ بات سن کر لگی لگی رہ گئی۔

۶۔ درج ذیل الفاظ پر درست اعراب لگائیں:

عقل، حیثیت، اعتراف، نشت، بغل، اشتراک، مصلحت، جوسلہ، عدالت
۷۔ درج ذیل ضرب الامثال کو درست کر کے لکھیں:

	ایک انار ہزار بیمار
	پانی دیکھو، پانی کی وحاد دیکھو
	دھونبی کا کتنا نہ گھر کا نہ باہر کا
	جس کی لاٹھی اس کی گائے
	بچے گود میں ڈھنڈو را شہر میں
	دو دھو کا جلاسی بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے
	بھینس بڑی کے عقل
	چور کی موچھوں میں تنکا
	گیپوں کے ساتھ جو بھی پس جاتا ہے
	ندس من تیل ہو گا، نہ رادھانا پے گی

۱۱۔ سبق ”نیا قانون“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

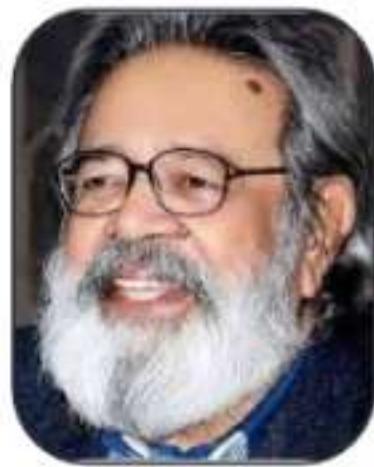
سرگرمی برائے طلبہ:

افسانہ ”نیا قانون“ کے اہم حصے روں پلے کی صورت میں پیش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- اساتذہ منشو کے دیگر افسانوں بالخصوص ”تماشا“ کا تعارف کرائیں۔
- ”نیا قانون“ کے طرزیہ اسلوب پر روشی ڈالیں۔





امر جلیل

(پیدائش: ۸ نومبر ۱۹۳۶ء)

امر جلیل کا اصل نام قاضی عبدالجلیل ہے۔ وہ سندھ کے شہر روہڑی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کراچی اور پھر نواب شاہ سے لی۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد کراچی یونیورسٹی سے اکنامکس اور تاریخ کے مضماین میں ماسٹرز کیے۔ سندھی اور انگریزی زبان میں افسانے، ڈرامے، مضماین اور کالم لکھ کر شہرت حاصل کی۔ اب تک ان کی بیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

امر جلیل نے اپنی کہانیوں میں معاشرتی ناہمواریوں کی نشان دہی کی ہے۔ انہوں نے زمینداروں، وڈیروں اور جعلی پیروں کو افسانوی انداز میں پیش کیا۔ امر جلیل نے ہمیشہ جمہوریت کے حق میں اور آمریت کے خلاف لکھا۔ سندھی زبان میں ان کے متعدد نتاول اور افسانے چھپ چکے ہیں۔ ان کی تحریروں کے ترجم مختلف زبانوں میں کیے گئے ہیں۔

ان کے افسانوی مجموعوں میں ”دل جی دنیا“، ”جہنم مان نہ ہوندی“، ”تاریخ کا کفن“، ”غیرہ شامل ہیں۔ وہ بہت سے پاکستانی اور عالمی اعزازات اپنے نام کر چکے ہیں جن میں پرائیڈ آف پرفارمنس ایوارڈ اور کمال فن ایوارڈ شامل ہیں۔

امر جلیل کو بچپن ہی سے لکھنے لکھنے کا شوق تھا۔ انہوں نے پہلی کتاب اس وقت لکھی جب ان کی عمر فقط دس سال تھی۔ اس کے علاوہ انہیں کرکٹ کھیلنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ وہ ایک عرصہ تک مقامی سطح پر فرست کلاس کرکٹ میں بطور بیس میں اور وکٹ کپر کھیلتے رہے۔ امر جلیل نے اپنی پیشہ و رانہ زندگی کا آغاز ریڈ یو پاکستان کراچی سے کیا جہاں سے ان کا تبادلہ اسلام آباد ہو گیا۔ اسلام آباد میں انہوں نے ملازمت کے علاوہ مختلف تعلیمی اداروں میں کام کیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد مستقل طور پر کراچی شفت ہو گئے مگر پڑھنے لکھنے کا شوق بدستور جاری رہا۔

امر جلیل نہایت محنتی شخص ہیں۔ انہوں نے اپنی ضعیف العری کا کبھی خیال نہیں کیا اور آج کل بھی پاکستان کے مختلف اخباروں بالخصوص ”ڈان“ اور ”دی نیشن“ میں حالات حاضرہ پر کالم لکھتے ہیں، اس کے علاوہ سندھی ٹیلی ویژن پر بطور اینکر پرسن بھی کام کرتے ہیں۔ شامل نصاب افسانہ ”تاریخ کا کفن“ میں امر جلیل نے قارئین پر اس بات کو واضح کیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر ویژتزم ہی اور سیاسی رہنماء اس بات کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں کہ تمام لوگ بھیثیت انسان برابری کا درجہ رکھتے ہیں لیکن معاشرے میں ایسا کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

تاریخ کا کفن

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو فنِ افسانہ زگاری سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ کو امر جلیل کی علمی، ادبی اور صافی خدمات بالخصوص سندھی ادب سے روشناس کرنا۔
- طلبہ پر طبقاتی نظام کی بد صورتی کو آشکار کرنا۔
- طلبہ کے دلوں میں افلاس اور غربت کے مارے لوگوں کی مدد اور احترام کرنے کا جذبہ پیدا کرنا۔
- طلبہ کو باور کرانا کہ علاقائی ادب کے مطابع سے قومی وحدت کو استحکام اور پاکستانی ثقافت میں دل کشی پیدا ہوتی ہے۔

عید نماز شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے ایک کالا کوٹا شیدی، جس کے بال خشک، آنکھیں بخیر، بدن نحیف و نزار اور جس نے کپڑوں کے نام پر چیڑھے پہنے ہوئے تھے؛ وہ نمازیوں کی آخری صفائح سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ادھیڑ عمر کا طویل قامت شخص تھا۔ اس کے کندھے صلیب کی طرح سیدھے اور سینہ چوڑا تھا۔ اس کی پشت زندگی کا بوجھا اٹھاتے، برداشت کرتے کمان بن چکی تھی۔ اس نے لمبی سانس کھینچ کر ایک اڑتی نگاہ عید گاہ پر ڈالی۔

پوری عید گاہ کراچی کے بھانٹ بھانٹ کے لوگوں سے الی پڑی تھی۔ قطاریں شمار سے باہر، نمازی بے انداز! کچھ کے کپڑوں کے جوڑے نئے، کچھ کے دھلے ہوئے، کچھ کے اجلے! رنگ اتنے سارے کہ جیسے آسمان سے رنگوں کی دھنک زمین پر اتر آئی ہو۔ عید نماز شروع ہونے میں چند لمحات باقی تھے۔ مولوی صاحب بے حد عقیدت اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ تاریخِ اسلامی کے اور اق پلٹ رہے تھے۔ وہ کبھی بانہیں اور پرانا کرتون کبھی نیچے کر کے، آواز کے زیر و بم کے ساتھ، کبھی سیدھے سُبھا تو کبھی شریں بولتے ہوئے؛ لوگوں کے جذبہ ایمانی کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لوگ مودب بیٹھے ہوئے تھے اور دوران وعظ کبھی کبھار اونگٹھے بھی لیتے تھے۔ ان کی نگاہیں اپنے اپنے مصلوں کے آگے رکھے جوتوں پر تھیں۔ کچھ جو تے نئے، کچھ پرانے اور پھٹے ہوئے تھے۔ بُؤُؤں، سلیپروں، سینڈلوں اور چپلوں کے تکوے تکوں سے ملے ہوئے تھے اور جائے سجدہ سے انجھ بھر ڈور کھے ہوئے تھے۔ جو نمازی اپنے ساتھ بجے سنورے پہنچ لے آئے تھے، ان کی ایک آنکھ جوتوں میں تو ایک بچوں میں گڑی ہوئی تھی۔ صحبت مند مولوی صاحب، صحبت مند آواز میں وعظ کر رہے تھے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے بجائے اللہ تعالیٰ کے قهر اور عذاب قبر کی باتیں بتاتا کر ڈرارہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جوش ایمانی

میں لاوڈ پیکر پھاڑ دالیں گے۔

”آبے بیٹھ جا!“ کنگال قسم کے ایک ذبلے پتے شخص نے شیدی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا، ”کھڑے کیوں ہو؟ بندر یا بھاگ گئی ہے کیا؟“
شیدی نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جھٹکا دے کر، بازو چھڑا کر پچھلی صاف سے نکل کر اگلی صاف میں کھڑا ہو گیا۔

”آبے! دُور کریا اپنے توے جیسے پاؤں۔ شیدی کو گھنی مارتے ہوئے ایک چڑیا جتنے نوجوان نے کہا: ”آدمی ہو کہ تارکوں!“
شیدی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی گردان موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس قطار سے نکل کر اگلی قطار میں کھڑا ہو گیا۔

”اوہو۔۔۔ بڑے احتمق ہو تم بھی۔“ اجلے سفید کپڑوں والے ایک شخص نے غصے میں شیدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”شرم نہیں آئی
میرے کورے پاجامے کے پائچے پر پاؤں رکھتے ہوئے۔“

شیدی کی اداں آنکھوں میں پراسرار روشنی ابھر آئی تھی۔ اس نے اس پھرے ہوئے شخص کے جملے کو متا کر دیا۔ وہ قدم بڑھا کر
اگلی قطار میں جا کھڑا ہوا۔

”خبردار!“ فرشتوں جیسے ایک شخص نے شیدی کی ٹانگ کی چٹکی کاٹتے ہوئے کہا: ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ مِّنْ أَدْبَرِيْ!“
آدمی ہو کہ این ابلیس!

شیدی نے چٹکی کی پروانہیں کی اور نہ ہی فرشتوں ایسے شخص کے جملے کی۔ اس کی اداں آنکھوں میں پراسرار روشنی بڑھتی چلی گئی۔ وہ قدم
بڑھا کر اگلی قطار میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

”ارے او بن مانس!“ ایک نوجوان، جس نے بڑی محنت اور جغا کشی کے بعد اپنی چمکتی پیشانی پر بال سجار کھے تھے، نے شیدی کو
ختارت آمیز لہجہ میں کہا: ”چڑیا گھر سے پنجھر توڑ کر بجا گے ہو کیا؟“

قریب بیٹھے کچھ ایکٹر چھاپ نوجوانوں نے قہقہہ لگایا۔ ایک بھینگ نوجوان نے اداکاروں جیسے بجھے میں کہا: ”لگتا ہے کہ افریقہ سے
ہجرت کر کے آیا ہے۔“

ایکٹر چھاپ نوجوانوں کی ٹولی نے قہقہہ لگایا۔

ایک ادھیر عمر شخص، جواناں کو رہا تھا، قہقہہ سن کر بیدار ہو گیا۔ اس نے گھٹنوں سے سر ہکال کرنے نوجوانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:
”اے لڑکو! تیس مارخانی مت دکھاؤ، وعظ سننے دو۔“

”چپ کر، ابا نیل کے بچے!“ ایک نوجوان نے فی البدیہ جواب دیا۔ وہ شخص اُتر اہوا پچھرے لے کر بیٹھ گیا۔
اس دوران شیدی وہ قطار چھوڑ کر اگلی قطار میں جا کھڑا ہوا۔

”ارے ادھر آگے کہاں آرہے ہو؟“ چار پانچ آدمیوں نے اسے روک لیا۔ انہوں نے اس کے پہنچے پرانے کپڑوں اور ناتواں بدن کو
دیکھ کر کہا: ”یہاں شیرینی بث رہی ہے کیا؟“

شیدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں اگلی قطار پر گڑی ہوئی تھیں۔

”پیچھے جاؤ، اے توے کے بھائی! پیچھے جاؤ۔“

”ڈور ہٹو۔“

”بھاگ جاؤ۔“

”خبردار جو آگے آئے!“

شیدی نے انھیں جواب نہیں دیا، نہ ہی گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ پُرسار روشی واضح طور پر اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ قدم اٹھاتا، چھلانگ میں مارتا، نمازیوں کی دو چار قطاریں چھلانگ گیا۔

لوگوں میں کھلبیلی مجھ گئی۔ جو انگھر ہے تھے وہ بیدار ہو کر بیٹھ گئے۔ جو بیدار تھے اور کانوں سے وعظ من رہے تھے اور آنکھوں سے اپنے بجتوں اور بچوں کی نگہداشت کر رہے تھے، وہ شتر مرغ کی طرح گرد نیس پھیر کر شیدی کی طرف دیکھنے لگے۔ انھوں نے جب شور منا تو جھپٹ کر اپنے اپنے بجوتے اٹھا لیے اور بچوں کو کھینچ کر گود میں بٹھایا۔
کچھ پُر حشمت، بہادروں اور نذر ووں نے شیدی کو قابو میں کر لیا۔

”پکڑنا۔“

”مرت چھوڑنا۔“

”خوب مرمت کرنا۔“

شور غل بڑھ گیا۔ مولوی صاحب نے وعظ بند کر دیا اور منبر کے سب سے اوپر زینے پر چڑھ کر تماشا دیکھنے لگے۔ تمام مخلوق کا دھیان شیدی کی طرف ہو گیا۔

کئی انواع کے لوگ، کئی اقسام کے لجھ، بھانست بھانست کی بولیاں۔۔۔ لیکن مفہوم سب کا ایک جیسا۔۔۔

”چور ہے۔“

”چور نہیں ہے، جیب کرتا ہے۔“

”برا بر، برا بر۔“

”ضرور کسی مومن کی جیب خالی کر لی ہو گی۔“

”شکل سے ہی چور کا پتہ دکھائی پڑتا ہے۔“

”بجتوں کا چور ہے۔“

”قاپو کرنا۔“

”پکڑنا۔“

”بھاگنے مرت دینا۔“

”جلدی کرنا۔“

”چور ہے۔“

”جیب کترا ہے۔“

”بد معاش ہے۔“

”ٹھہدا ہے۔“

ایک شخص بحوم سے راستہ بناتا، ہلہ بولتا، آگے بڑھ آیا۔ اس کے ہونٹ پتلے اور خشک، آنکھیں بے رونق اور بال اجزے ہوئے تھے۔

اس نے لوگوں سے بلند آواز میں کہا: ”میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ چور نہیں نہ ہی جیب کتر اور نہ تن لفناگا ہے۔ یہ صرف شیدی ہے۔“

جس نیک بندے کا ہاتھ شیدی کی گردن میں تھا، اس نے ایک نگاہ میں نووار دکا جائزہ لیتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا: ”اور تم کون ہو؟“

اس نے جواب دیا: ”میں ماموں خاں موپی ہوں۔“

”بھاگ جا، موپی! اٹو جا کر پھٹے پرانے بختوں کی مرمت کر۔“ نیک صورت اور نیک سیرت شخص نے کہا: ”ہم خود ہی اس کی خبر لیں گے۔“

ماموں خاں موپی دھکے ٹھہڈے کھا کر منظر سے غائب ہو گیا۔

اور پھر بڑی دیر تک بلند آواز میں جملے ایک دوسرے سے الجھتے رہے۔۔۔

”مارو، مارو۔“

”ٹھکانی اچھی طرح کرو۔“

”پہلے اس کی تلاشی لو۔“

”نماز میں رخنه مت ڈالو۔“

”درخت سے ہاندھ دو۔“

”نماز کے بعد منھ کالا کر کے، گدھے پر بٹھا کر اس کا جلوس نکالا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے، یہ بہت بڑا اور اہم مسئلہ ہے۔“

”اس کے منھ پر کالک کے بجائے چونے کی سفیدی پھیریں گے۔“

”ہر گز نہیں، چور کا منھ ہمیشہ کالا ہوتا ہے۔“

”اس مسئلہ پر لوگوں سے ووٹ لیا جائے۔“

”ووٹ لینے کا وقت نہیں ہے۔“

لوگ آپس میں بحث مباہث کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے لانے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شور و غل بڑھ گیا۔ لوگ شیدی کے حشر کے متعلق کسی ایک فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے۔

پہلی قطار میں ملک کی نامی گرامی اور جانی پچانی شخصیت، ہر دل عزیز، مشہور و معروف جناب محمود صاحب موجود تھے۔ لوگوں کو محمود صاحب کی حفاظت کی قدر لاقع ہو گئی۔ وہ محمود صاحب کے لیے پریشان ہونے لگے۔ بحوم میں سے کسی نے بلند آواز، چیختے ہوئے کہا: ”کالاشیدی پہلی قطار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ بد بخت ضرور کسی دشمن ملک کا ایجنت ہے، اور محمود صاحب کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔“

اس نے انشاف پر لوگ جو اس باختہ ہو گئے۔

اچانک شیدی نے چھلانگ لگائی۔ وہ چیتے کی طرح چھال (چھلانگ) مارتا، بڑے بڑے ڈگ بھرتا، لوگوں، مصلوں، جتوں اور چپلوں کی کئی قطاریں بچھلانگ گیا۔

پہلی صفائی میں محمود کے ساتھ شہر کے لاٹ افران، صنعت کار، تاجر اور بینکر کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ گردیں جھکائے اور دوز انو بیٹھے ہوئے تھے اور اخباری فوٹوگرافروں سے تصاویر کھنپوار ہے تھے۔ پہلی صفائی میں عقب میں، محمود صاحب کی حفاظت کے لیے سادہ کپڑوں میں حفاظتی عملہ کے مستعد اور طاقت و رارکان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بہ ظاہر نماز پڑھنے اور اللہ کی عظمت کے سامنے سر بر سجود ہونے آئے تھے، لیکن دراصل وہ محمود صاحب کی حفاظت کے لیے وہاں موجود تھے، اور نئی صورت حال کے باعث چوکس ہو رہے تھے۔ ان کے نیفوں میں خطرناک اسلحہ چھپا ہوا تھا، اس لیے وہ بیٹھنے میں دشواری محسوس کر رہے تھے۔

شیدی جب اچھلتا، چھلانگ میں مارتا، دوسری صفائی پہلی صفائی کی طرف بڑھنے لگا، تب اسے حفاظتی عملہ کے عقابوں نے جھپٹ کر قابو کر لیا۔ وہ پلک جھپکنے میں ہی اسے لاتیں، بھٹکدے، مٹکے اور گھونے مارتے، عیدگاہ سے باہر لے گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ لاکڑی پسکردوں سے مولوی صاحب کی آواز گوئی بخیلی۔ وہ دونوں ہاتھ عرش کی طرف اٹھا کر، عاجزی، انکساری کے ساتھ اور مترنم انداز میں اللہ تعالیٰ سے محمود صاحب کی درازی عمر کی دعا مانگنے لگے۔

لوگوں کا خیال بدل گیا۔ وہ شیدی کو بھول کر پہلے محمود صاحب کی طویل عمری کی دعا کیں اور پھر وعظ سننے لگے۔ انہوں نے اپنے نئے پرانے بوٹ اور پل سجدہ گاہ سے انہیں بھر کی دوڑی پر رکھے تھے۔

عیدگاہ سے باہر ایک علیحدہ جگہ میں حفاظتی عملہ کے ایک بڑے افسر نے بیدکی چھڑی کے پپے درپے وارگرتے ہوئے شیدی سے پوچھا، ” بتاؤ، جواب دو۔ تم کس نیت سے پہلی صفائی کی طرف بڑھ رہے ہے؟“

مغلوں، گھونسوں اور تھپڑوں کے سبب شیدی کا پورا چہرہ خونم خون ہو گیا تھا۔ اس کا منہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔

” جواب دو۔“ پھر لاتیں اور مٹکے، چہرے پر گھونے اور پنڈلیوں پر لانگ بٹوں کی ٹھوکریں لگیں، ” جواب دو، کس کے ایجنت ہو؟ کس نیت سے آگے بڑھ رہے ہے؟“

شیدی کی ناک سے خون کے ریلے بہنے لگے۔ پیٹ اور کوکھ اور پسلیوں پر لاتیں پڑنے کے باعث اس کا جوڑ جوڑا کھڑ گیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندر ہیرا چھا گیا۔

” پہلی قطار کی طرف کیوں اور کس نیت سے بڑھ رہے ہے؟“ عمل دار نے اسے پیٹ پر لات اور گردن پر مکا مارتے ہوئے پوچھا، ” جواب دو، کس ارادے سے پہلی صفائی کی طرف بڑھ رہے ہے؟“

شیدی نے خون کی گلی کر کے، منہ کو پھٹی قیص کے بازو سے پوچھ لیا۔ اس کے کٹے پھٹے ہونٹ کا نپنے لگے۔ اس نے کمزور آواز میں کہا: ” میں پہلی صفائی میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔“

حفاظتی عملہ کے چاق چوبند جوان شیدی کا جواب سن کر کچھ کچھ پریشان ہو گئے۔ پھر، اس کے خراب حال اور سادہ شکل و صورت دیکھ کر

تھی۔ کسی نے لگے۔ کسی نے کہا: ”ارے! تم پہلی قطار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو گے؟“

ان میں سے ایک نے زور دار مکا شیدی کی پیشانی پر ناک کے قریب بجا یا اور کہا: ”تم جھوٹ بولتے ہو۔“

پورا ماحول شیدی کی نگاہوں کے سامنے زیر و زبر ہونے لگا۔ اس کی سانس سینہ میں دھڑکنے کے بجائے تڑپنے لگی۔ سانس بند ہونے لگی۔ ناک، منہ اور کانوں سے خون رہتا، بہتارہا۔ اس نے شکست لجھے میں کہا: ”میں پہلی قطار میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔“

حفاظتی عملہ کے ایک تنومند نوجوان نے شیدی کے سینے پر گھونے کا بھر پورا کیا اور پھر اسے گالی دیتے ہوئے کہا: ”ڈراما کرتے ہو، سُور کے پچھے! ہم تمھیں پہچان گئے ہیں۔ تم غیر ملکی ایجنت ہو۔“

شیدی مٹھا کھا کر پیچھے ہٹ گیا، جا کر دیوار سے لگا۔

” بتاؤ!“ پھر لٹھیاں برے لگیں: ” بتاؤ، کس کے ایجنت ہو؟“

” میں ایجنت نہیں ہوں۔“ شیدی بھجنے لگا، اس نے ٹوٹتے بھرتے ہوئے کہا: ” میں پہلی صاف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔“

” آبے لنگور!“ ایک موئی نگزے اہلا کار نے اسے تھپڑا مارتے ہوئے کہا، ” زندگی بھر کبھی آئینہ دیکھا ہے! چلا ہے پتھر پہلی قطار میں نماز پڑھنے!“

شیدی کی سانسوں کا سلسہ اس کی ناک سے بہتے خون کے سبب ٹوٹنے لگا۔ اس نے کہا: ” میں پہلی قطار میں کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔“

” آبے اونٹ کے پچھے!“ موئی نگزے عمل دار نے کہا، ” شہر کے معزز لوگ محمود صاحب کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے پہلی صاف میں موجود ہیں۔ تم پہلی صاف میں کیسے نماز پڑھو گے؟“

شیدی نے نحیف آواز میں کہا: ” میں بھی پہلی صاف میں محمود صاحب کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھوں گا۔“

حفاظتی عملہ کے تختواہ داروں نے خوب تھیہ لگائے۔ ایک نے کہا: ” اس کا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔“

” بہرو بیا ہے۔“ بڑے افسر نے اپنے عملے کو حکم دیتے ہوئے کہا: ” اس سے پوچھو کہ یہ کون ہے اور محمود صاحب کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ڈھونگ کیوں کر رہا ہے؟“

پھر جو درگت بنانا ان کے حافظہ میں محفوظ تھا، وہ درگت انہوں نے شیدی کی بنائی۔ لاتیں، سکے اور گھونے مار مار کر اسے ادھ مہوا کر دیا۔

شیدی فرش گزیں ہو گیا۔ انہوں نے اسے پھر اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اسے ہوش میں لے آئے۔ شیدی نے خون آلو دا آنکھیں کھول کر حفاظتی عملہ کی طرف دیکھا۔

چاق چوبندا فسر نے اس کے بالوں کو مٹھی میں پکڑتے ہوئے کہا: ” بتاؤ، تم کون ہو؟ محمود صاحب کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز کیوں پڑھنا چاہتے ہو؟“

شیدی بھجنے لگا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں پراسرار روشنی لوٹ آئی۔ اس نے ٹوٹے چھوٹے لجھے میں کہا: ” میں ایا ز ہوں۔“

” میں ایک ہی صاف میں کھڑا ہو کر محمود کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔“

(تاریخ کا کفن)



مش

1۔ مختصر جواب دیں:

(الف) شہدی کی شکل و صورت کیسی تھی؟

(ب) ”شرم نہیں آئی میرے کورے پا جامے کے پانچھے پر یا وہ رکھتے ہوئے۔“ یہ بات کس نے کہی؟

(ج) شیدی پر کون کون سے الزام لگائے گئے؟

(۶) محمود صاحب کون تھے؟

(و) ”میں ایا زہوں۔ میں ایک ہی صفحہ میں کھڑا ہو کر محمود کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔“ یہ جملہ علامہ اقبال کے کس شعر کی طرف نشان دہی کرتا ہے؟

۲۔ متن کو مدد نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(ب) فرشتوں جیسے ایک شخص نے شیدی کی ٹانگ کی چلکی کا متنے ہوئے کہا، ”لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ إِلَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ“ میرا۔۔۔ کامصلی میلا کر دیا۔

(ج) ماموں خاں مو پچی دھکے ٹھڈے کھا کر ---- سے غائب ہو گیا۔

(د) بدجھت ضرور کسی دشمن ملک کا---- ہے اور محمود صاحب کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

(۶) پورا ماہول شیدی کی نگاہوں کے سامنے ۔۔۔ ہونے لگا۔

۳۔ دیگئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

عبد حاضر کا انسان ائمہ نبیت، سماویت فونز، کمپیوٹر، تعلیمات اور لیب ٹیکس کے ذریعے سے یورپی دننا سے بجزا ہوا ہے۔ دننا بھر کی معلومات

تک اس کی رسائی ممکن ہو چکی ہے۔ وہ پرنٹ میڈیا (Print Media) سے ہٹ میڈیا (Hot Media) کی طرف رغبت اختاکر جکا ہے۔

اور جھوٹ سے آلوہ معلومات سو شل میڈیا یا یونگل میں لگی آگ کی طرح پھیل جاتی ہیں۔ اس صورت حال میں معلومات کی حقیقت کو جانشی

کے لیے میڈیا انفارمیشن لٹریسی (MIL) وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کی مدد سے تنقیدی سوچ کی مہارت کو فروغ دے کر معلومات کی جائجھ

پڑتاں اور اس کا تنقیدی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم اینے نوجوانوں کی تنقیدی سوچ اور با مقصد زندگی کو فروغ دینے کی خواہش رکھتے ہیں تو ان

میں غلط خبروں کے بارے میں شعور بیدار کرنا، جعلی خبروں کو بغیر تصدیق کے پھیلانے سے روکنا ہوگا۔ غلط اطلاعات و معلومات معاشرے کے

لیے مضر نتائج کا باعث اور رائے عامہ پر منفی اثر ڈال سکتی ہیں۔ میڈیا انفارمیشن لٹریسی ورحقیقت میڈیا اور معلومات تک موثر طریقے سے رسائی کا نام ہے۔ اس کے ذریعے معاشرے میں منتظر نظر کی حوصلہ افزائی، ثقافتی تضہیم اور احترام کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ یورپی اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں میڈیا انفارمیشن لٹریسی کو باقاعدہ تعلیمی نصاب میں شامل کیا گیا ہے تاکہ اس بات کا جائزہ لیا جاسکے کہ بچوں میں میڈیا پیغامات کوڈی کوڈ کرنے اور ڈیجیٹل میڈیا کو ابتدائی اور موثر طریقے سے استعمال کرنے کی الہیت پیدا کی جا چکی ہے۔ ان ممالک میں سکول، کالج اور یونیورسٹی سطح کے نصابات میں اسے بطور مضمون شامل کرنے کے علاوہ میڈیا انفارمیشن لٹریسی کے متعدد منصوبوں کے ذریعے عام شہریوں کو بہتر انداز میں ڈیجیٹل اور سوشل میڈیا کو استعمال کرنے کے بارے میں آگاہی دی جا رہی ہے۔

سوالات:

- عہد حاضر کا انسان کن نئی ایجادات سے جڑا ہوا ہے؟
- میڈیا انفارمیشن لٹریسی کے بغیر سوشل میڈیا کے منفی پہلو کوں کون سے ہیں؟
- ”MIL“ کن انگریزی الفاظ کا مخفف ہے؟
- جعلی خبروں کو پھیلنے سے کیسے روکا جاسکتا ہے؟
- ترقی یافتہ ممالک میں میڈیا انفارمیشن لٹریسی کی کیا صورت حال ہے؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

زبان شناسی

۲۔ درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:

پودہ طبع روشن ہوتا،	کندھا دینا،	وارے نیارے ہونا،	ہاتھ پسarna،
مزہ دو بالا ہوتا،	بے دم ہو جانا،	لبون پر مسکراہٹ کھینا	

۵۔ درج ذیل الفاظ پر درست اعراب لگائیں:

صلیب،	مصلی،	قہقہہ،	نشت،	درگت،	چمک،	ارتکاب،	نیت،	چہرہ
-------	-------	--------	------	-------	------	---------	------	------

۶۔ سبق ”تاریخ کا کفن“ کا خلاصہ تحریر کیجیے۔
۷۔ سبق ”تاریخ کا کفن“ کا مرکزی خیال لکھیں۔

تلخیص نگاری

کسی عبارت کو کم از کم الفاظ میں اس طرح لکھنا کہ اس عبارت کا تاثر برقرار رہے اور کوئی بات محل نظر نہ ہو، تلخیص نگاری کہلاتی ہے۔ تلخیص اصل عبارت کی عموماً ایک تہائی ہوتی ہے مگر عبارت کے اصل نکات ضرور درج کیے جاتے ہیں۔ تلخیص جامع پیر اگراف کی صورت

میں لکھتے ہیں۔ غیر ضروری تراکیب، مترادفات، تشیہات سے گریز کیا جاتا ہے اور عبارت کا مناسب عنوان بھی لکھا جاتا ہے۔

۸۔ درج ذیل عبارت کی تخلیص لکھیں جو متن کا ایک تہائی ہو، موزوں عنوان بھی تجویز کریں:

درختوں کی بہتات ہوا میں موجود آبی بخارات میں اضافے کا باعث بنتی ہے اور بارش کے ذریعے سے فضائی آسودگی کو کم کرنے میں اہم کردار انجام دیتی ہے۔ اس کے علاوہ درختوں کی وجہ سے زمینی اور صوتی آسودگی بھی کم ہوتی ہے۔ وہ علاقے جہاں سیم اور تھور زیادہ ہو، وہاں درخت زمین سے پانی جذب کر کے زیر زمین کھاری پانی کی مقدار کو کم کر دیتے ہیں۔ اس طرح پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور زمین قابل کاشت بن جاتی ہے۔ پھل دار درخت اور پھول دار پودے مناظر فطرت کو پرکشش بناتے ہیں۔ بزرگ مال مویشیوں کی خوراک بتاتا ہے۔ درختوں کی وجہ سے فرنچر، ریشم اور گتہ سازی جیسی صنعتیں فروغ پاتی ہیں۔ درخت نہ صرف ہمارے بہترین دوست ہیں بلکہ ان پر جیسے بے شمار پرندے گھونسلے ہناتے، پرورش پاتتے اور چچھاتے ہیں، اس لیے انھیں بلاوجہ ایندھن کی نذر نہیں کرنا چاہیے۔

سرگرمی برائے طلبہ:

- سبق ”تاریخ کا کفن“ کے متن کو غور سے پڑھتے ہوئے مترادفات کی تراکیب کی نشان دہی کریں اور کاپی پر لکھیں۔
ہدایات برائے اساتذہ:

- اساتذہ معاشرے میں پائی جانے والی طبقاتی تفریق کی نشان دہی کریں۔
- علاقائی ادب کی اہمیت بیان کریں اور اس کی نمایاں خصوصیات بتائیں۔
- طلبہ پر قومی اور ملیٰ وحدت کی اہمیت واضح کریں۔





علامہ اقبال

(۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء)

علامہ اقبال سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی شیخ نور محمد بڑے پرہیزگار اور عبادت گزار انسان تھے۔ ان کی والدہ امام بی بی بھی بڑی خلائق، نیک سیرت اور زادہ و عابدہ خاتون تھیں۔ ان کا زیادہ وقت محلے کی بچیوں کو تعلیم دینے اور عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ نیکوکار والدین سے تربیت پانے کے ساتھ ساتھ اقبال نے ابتدائی تعلیم سید میر حسن کی درس گاہ سے حاصل کی۔ علماء اقبال اپنے مقام و مرتبہ کو ہمیشہ انھی کا فرض سمجھتے تھے۔ سیال کوٹ سے انٹرمیڈیٹ کے بعد بی اے اور ایم اے کے امتحانات گورنمنٹ کالج، لاہور سے پاس کیے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں انھیں فلسفے کے استاد پروفیسر تھامس آرنولد مل گئے جو آپ کی صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے فلسفے کے ساتھ اقبال کے فطری لگاؤ کو دیکھ کر ان کے خیالات کو اور بھی جلا بخشی۔ پروفیسر تھامس آرنولد اپنے احباب میں اقبال کی تعریف کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق ترین ادا دیتا ہے۔ بعد ازاں اقبال ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک یورپ میں مقیم رہے۔ انھوں نے جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی جب کہ لندن سے قانون کی سب سے بڑی ڈگری بارائیٹ لاحاصل کی۔

علامہ اقبال بِعظیم کے مسلمانوں بلکہ امت مسلمہ کے اس لحاظ سے بہت بڑے محسن ہیں کہ انھوں نے اپنے کلام کے ذریعے سے مسلمانوں کے دلوں میں حرارت اور خیالات میں انقلاب پیدا کیا۔ وہ حرکت و عمل کے شاعر ہیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے پیروی قرآن اور اطاعت رسول ﷺ کا درس دیا اور خودی، مرد و مومن اور شاہین جیسی اصطلاحات اور علامات کے ذریعے سے مسلمانوں میں نئی روح پھونکنے کی کامیاب کوشش کی۔ اسی بنا پر انھیں ”حکیم الامت“ اور ”شاعر مشرق“ جیسے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ علماء اقبال کی کتابوں میں ”بانگ درا“، ”بال جریل“، ”ضرب کلیم“ اور ”ار مغانِ حجاز“ (نصف حصہ) اردو شاعری کی کتابیں ہیں جب کہ ”اسرار و رموز“، ”پیام مشرق“، ”زبورِ عجم“، ”جاوید نامہ“ اور ”ار مغانِ حجاز“ (نصف حصہ) فارسی شعری مجموعے ہیں۔ اس نصابی کتاب میں ان کی نظم: ”اے وادی لولاب! شامل ہے جو ارمغانِ حجاز“ سے لی گئی ہے۔



اے وادیٰ لولاب! ^(۱)

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو وادیٰ لولاب کی سیاحتی، تاریخی اور ثقافتی اہمیت سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ کو عالمِ اقبال کی اس نظم کے معانی، مفہوم اور مطالب سے روشناس کرنا۔
- ڈاکٹر علام محمد اقبال کے فلسفیاتِ خیالات، امتِ مسلمہ کے احیا کے لیے کوششوں پر روشنی ڈالنا۔
- طلبہ کو باور کرنا کہ فکرِ اقبال کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔
- طلبہ شعری محاسن کے ساتھ منظوم ادب پاروں کی تشریح کر سکیں۔

پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیماں
مرغانِ سحر تیری فضاں میں ہیں بے تاب
اے وادیٰ لولاب!

گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
ویں بندہ مومن کے لیے موت ہے یا خواب
اے وادیٰ لولاب!

ہیں ساز پر موقوف نوا ہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بے کار ہے مضراب
اے وادیٰ لولاب!

ملائکی نظر نور فرات سے ہے خالی
بے سوز ہے مے خانہ صوفی کی مئے ناب
اے وادیٰ لولاب!

بیدار ہوں دل جس کی فُغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادیٰ لولاب!

(ارمغانِ ججاز)



(۱) کشیر کی انتہائی خوب صورت وادی ہے جو خط کشیر کے شمال مغرب میں مری گھر سے ۱۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ضلع کپوارہ میں واقع ہے۔

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) وادیِ لولاب کے دل کش حسن کو کس طرح بیان کیا گیا ہے؟

(ب) علامہ اقبال نے صاحبانِ منبر و محراب کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟

(ج) دوسرے شعر کا مفہوم لکھیں۔

(د) نواہ اے جگر سوز کا درود اکس بات پر ہے؟

(و) قوم میں کس طرح کے درویش نایاب ہیں؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(۱) وادیِ لولاب سے مراد ہے:

(الف) مملکہ کو ہسار مری

(ب) وادیٰ نیلم

(ii) وادیِ لولاب کے چشمتوں کا پانی ہے:

(الف) زریاب

(ب) سیما ب

(ج) نواہ اے جگر سوز موقوف ہیں:

(الف) ساز پر

(ب) ناز پر

(iii) تارڑ ہیلے ہوں تو بے کار ہے:

(الف) ساز

(ب) مضراب

(iv) بے سوز ہے:

(الف) مے خانہ

(ب) جم خانہ

(v) قوم میں مدت سے فغانِ سحری والے نایاب ہیں:

(الف) فقیر

(ب) درویش

(ج) پیر (د) شاعر

۳۔ لفظ ”اے وادیِ لولاب!“ کے چوتھے بند کی روشنی میں درج ذیل شعر پر باہمی گفتگو کریں اور مشترک رائے قلم بند کریں:

کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی

ان کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

۴۔ اقبال کے کلام میں مئے لالہ قام، مئے تاب اور بادہ تاب وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً:

مرے کدو کو غیمت سمجھو کہ بادہ تاب

نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

علامہ اقبال کے اشعار کی روشنی میں ان تراکیب کی وضاحت کریں:

مرغانِ سحر، صاحبِ ہنگامہ، بندہِ مومن، نورِ فراست، فغانِ سحری

۵۔ نظم اے وادی لواب! کا اصل عنوان ”ملازادہ ضغیم لولابی کشمیری کا بیاض“ ہے۔ اقبال نے اس جرأت مند فرضی کردار کے ذریعے سے کشمیریوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ کلام اقبال سے کشمیر کے حوالے سے مزید اشعار تلاش کر کے ”اقبال“ اور ”کشمیر“ کے عنوان پر ایک تقریر تیار کریں۔

۶۔ مختلف حوالوں سے اور شعری محاسن کی روشنی میں تشریح کریں:

گر صاحبِ ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دیں بندہ مومن کے لیے موت ہے یا خواب
اے وادی لواب!
بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں ندت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادی لواب!

۷۔ نظم ”اے وادی لواب!“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

۸۔ نیچے دیے گئے الفاظ و تراکیب کے معانی لکھیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں۔

فغانِ سحری	صاحبِ ہنگامہ	مرغانِ سحر	سیماں	وادی لواب
نایاب	مضراہ	نوہاہے جگرسوز	موقوف	منبر و محراب
فراست	نمے ناب	مئے خانہ صوفی	بے سوز	نورِ فراست

۹۔ علامہ اقبال کے اشعار کی روشنی میں ان کی شخصیت کا مرقع پیش کریں۔

۱۰۔ ”اے وادی لواب!“ کے اشعار کی روشنی میں مسلمانوں خصوصاً کشمیر اور غزہ کے مسلمانوں کو درپیش مسائل پر تبادلہ خیال کریں اور ان کے حل کے لیے تجویز پیش کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

۱۔ علامہ اقبال کے اشعار کی روشنی میں آزادی کشمیر کے موضوع پر کسی ڈرامے کا اہتمام کریں۔

۲۔ یومِ کشمیر کے موقع پر کشمیر کے حوالے سے کلام اقبال سنانے کے مقابلے میں حصہ لیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

۱۔ طلبہ کو نظم ”اے وادی لواب!“ کا مکمل تعارف کرائیں۔

۲۔ کشمیر سے علامہ اقبال کی محبت اور اس کی تغیر و ترقی کے لیے کوششوں سے آگاہ کریں۔

۳۔ علامہ اقبال کی ایک معروف نظم ”بڑھے بلوج کی نصیحت بیٹے کو“ کے کرداروں کا تعارف کرائیں۔





اختر شیرانی

(۱۹۰۵ء-۱۹۲۸ء)

شاعر رومان؛ اختر شیرانی کا اصل نام محمد داؤود خان اور تخلص اختر ہے۔ آپ نامور محقق حافظ محمود شیرانی کے بیٹے تھے۔ ٹونک (راجپوتانہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ٹونک ہی میں حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے اپنے والد گرامی کے پاس لا ہور چلے آئے، جہاں ۱۹۲۱ء میں اور بیتل کالج سے منشی فاضل اور اس سے اگلے سال ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مزید تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے، البتہ انگریزی زبان و ادب کا مطالعہ بھی اور ذاتی حیثیت سے جاری رکھا اور مضمون زگاری و شعرو شاعری کا آغاز کر دیا اور ان کا کلام مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا۔

بعض رسائل میں بطور مدیر بھی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۸ء میں ماہ نامہ ”بہارتان“ نکالا جو چل نہ سکا۔ ۱۹۳۰ء میں ”خیالتان“ جاری کیا۔ وہ بھی زیادہ عرصہ نہ چلا۔ ۱۹۳۵ء میں ماہ نامہ ”رومان“ کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہوا۔ اسی اثناء میں اختر کی شاعری کی دھوم مج گئی اور ان کا شمار ملک کے چوتھی کے شعراء میں ہونے لگا۔ ۱۹۳۰ء میں حافظ محمود شیرانی اور بیتل کالج کی ملازمت سے سبد و شہادت ہو کر اپنے وطن ٹونک چلے آئے۔ چنانچہ اختر شیرانی کو بھی ٹونک جانا پڑا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران میں وہ پھر لا ہور لوٹ آئے۔

مولانا تاجور نجیب آبادی نے اپنے رسائل ”شاہکار“ کی ادارت ان کے سپرد کر دی لیکن اختر تھوڑے ہی عرصہ بعد ”شاہکار“ سے الگ ہو گئے۔ اس عرصے میں انہوں نے اپنے شعری مجموعے ”لغہ حرم“، ”شعرستان“، ”لالہ طور“، ”صح بہار“، ”اخترستان“ اور ”طیور آوارہ“ کے نام سے شائع کیے۔ انہوں نے چند ڈرامے بھی لکھے، جن میں ”ضحاک“ زیادہ مشہور ہے۔

اختر شیرانی کی بہت سی نظمیں مظاہر فطرت، رومان اور مناظر قدرت کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کے شعور کا سماجی اور سیاسی پس منظر دوسرے بہت سے شعراء مختلف ہے۔ اس لیے ان کے محکات شاعری اور تخلیل کے اجزاء ترکیبی دوسروں سے جدا ہیں۔ انہوں نے اپنے تخلیل سے حسن و شباب، سرخوشی و خود فراموشی اور امن و سکون کی ایک نئی دنیا تخلیق کی ہے۔ ان کے گیتوں میں رس ہے، ان کی نظموں میں تخصوص نغماتی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس میں ڈوب کر محبت کے گیت گانے لگتے ہیں۔ شامل نصاب نظم ”اویس سے آنے والے بتا!“ اسی نوعیت کی حامل نظم ہے۔



او دلیں سے آنے والے بتا!

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو اخترشیر انی کی شخصیت اور فرن سے متعارف کرانا۔
- طلبہ میں جذبہ حب الوطنی پیدا کرنا۔
- اردو ادب میں رومانوی تحریک کے آغاز اور ارتقا کے بارے میں بتانا۔
- طلبہ کی تخلیقی اور تنقیدی صلاحیتوں کو جلا بخشنا۔

او دلیں سے آنے والے بتا!

او دلیں سے آنے والے بتا کس حال میں ہیں یاراں وطن
آوارہ غربت کو بھی سنا کس رنگ میں ہے گنعاں وطن
وہ باغ وطن فردوس وطن ، وہ سرو وطن ریحان وطن
او دلیں سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں مستانہ ہوا نہیں آتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کے پربت پر گھنگھور گھٹائیں چھاتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کی برکھائیں دیے ہی دلوں کو بھاتی ہیں
او دلیں سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وطن میں دیے ہی سرمست نظارے ہوتے ہیں
کیا اب بھی سہانی راتوں کو وہ چاند ستارے ہوتے ہیں
ہم کھیل جو کھیلا کرتے تھے کیا اب بھی وہ سارے ہوتے ہیں
او دلیں سے آنے والے بتا!

کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں احباب، کنارِ دریا پر
وہ پیڑ گھنیرے اب بھی ہیں شاداب ، کنارِ دریا پر
اور پیار سے آکر جھانکتا ہے مہتاب، کنارِ دریا پر
او دلیں سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی کسی کے سینے میں باقی ہے ہماری چاہ ، بتا
کیا یاد ہمیں بھی کرتا ہے اب یاروں میں کوئی آہ ، بتا
او دلیں سے آنے والے بتا ، اللہ بتا ، اللہ بتا

او دیس سے آنے والے بتا!

(کلیات اختر شیرانی)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) شاعر اس نظم میں کس سے مخاطب ہے؟

(ب) شاعر کو کس کی یاد تاریخی ہے؟

(ج) شاعر نے خود کو آوارہ غربت کیوں کہا؟

(د) وطن کی ہوا کیس اور گھٹا کیس کیسی ہیں؟

(ه) سرمست نظاروں سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) نظم ”او دیس سے آنے والے بتا!“ کے شاعر ہیں:

(الف) احمد ندیم قاسمی (ب) اختر شیرانی

(ii) شاعر کو کہاں کی یاد تاریخی ہے؟

(الف) باغ کی (ب) سمندر کی

(iii) ”کنعان وطن“، اردو قواعد کی رو سے ہے:

(الف) تشیع (ب) استعارہ

(iv) ”یاران وطن“، اردو قواعد کی رو سے ہے:

(الف) مرکب عطفی (ب) مرکب اضافی

(v) وطن کے بانغوں میں ہوا کیس چلتی ہیں:

(الف) ذنک (ب) متناہ وار

(vi) دریا میں پیار سے جھانکتا ہے:

(الف) حباب

(vii) وطن کے پیڑ ہیں:

(الف) گھنیرے

۳۔ نظم ”او دیس سے آنے والے بتا!“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

(د) جیل الدین عالی

(ج) ابن انشا

(د) صحرائی

(ج) وطن کی

(د) کنایہ

(ج) تیمح

(د) مرکب عددی

(ج) مرکب توصیفی

(د) تیز تیز

(ج) مخمور

(د) آفتاب

(ج) مہتاب

(د) ساییدار

(ج) سربز

۴۔ لفظ ”او دیں سے آنے والے بتا“ کے پہلے بند میں استعمال ہونے والی تلحیح کی روشنی میں بند کی تشریح کریں اور مرا زاغالب و مولانا حائل کے درج ذیل اشعار کو بھی شامل کریں۔

نسیم مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے



آ رہی ہے چاہ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

۵۔ اپنے ہم وطن کو دیکھ کر شاعر کے دل میں کیا کیا جذبے بیدار ہوتے ہیں اور وہ کیا جانتا چاہتا ہے؟ لفظ ”او دیں سے آنے والے بتا“ کی روشنی میں بیان کریں۔

۶۔ کیا لفظ ”او دیں سے آنے والے بتا“ کے آخری بند میں شاعر کی خواہشوں کا رخ تبدیل ہوا ہے؟ وضاحت کریں۔

مرکب ناقص، مرکب اضافی، مرکب توصیفی اور مرکب عطفی:

مرکب ناقص: دو الفاظ سے مل کر بننے والا ایسا مرکب جو بامعنی تو ہو لیکن اس سے پورا مطلب واضح نہ ہو۔ مثلاً:
تیز گھوڑا، نیک آدمی، رات اور دن وغیرہ۔

مرکب اضافی: جب دو لفظ حرف اضافت، زیر اضافت یا ہمزہ اضافت سے مل کر مرکب بنائیں تو اسے مرکب اضافی کہتے ہیں۔ مثلاً:
شام غربیاں، دوستوں کی محفل، نور حق، حلقة زنجیر وغیرہ۔

مرکب توصیفی: صفت اور موصوف سے مل کر بننے والے مرکب ناقص کو مرکب توصیفی کہتے ہیں۔ مثلاً: روشن چاند، خوب صورت پھل،
سفید پتھر وغیرہ۔

مرکب عطفی: حرف عطف ”اور“، ”و“ سے مل کر بننے والے مرکب ناقص کو مرکب عطفی کہتے ہیں۔ مثلاً: صبح و شام، حق و باطل، چاند اور
سورج وغیرہ۔

لفظ ”او دیں سے آنے والے بتا“ میں استعمال ہونے والے ان چاروں مرکبات کی فہرست بنائیں، ان کے معانی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں۔

۷۔ درج ذیل الفاظ کے مترادفات تلاش کریں:

فردوں	غربت	دیں	وطن	یار
چاہ	مہتاب	احباب	سہانی	گھنگھور

۹۔ طلبہ زیرِ مطالعہ "اوڈیس سے آنے والے بتا" کے بارے میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کریں اور تاثراتی تبصرہ کریں۔ اس میں حضرت مولانا کا درج ذیل شعر بھی شامل کریں:

غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی
جو روشنی کہ شامِ سوادِ وطن میں تھی

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- حبِ وطن کے موضوع پر تقاریر میں حصہ لیں اور مناسب اشعار استعمال کریں۔
- شعری ذوق رکھنے والے طلبہ کوئی ملی نغمہ لکھنے کی کوشش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- اختُر شیرانی کی رومانوی شاعری کے بارے میں معلومات دیں۔
- وطن کی محبت کی ضرورت و اہمیت واضح کریں۔



ساون کی گھٹا

برائے مطالعہ

مسکراتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
جی بھاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
گیت کوئل کے پیپیوں کی صدا مور کا شور
گنگناتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
کیوں نہ ہم جو لیاں گلزار میں جھولا جھولیں
لہلہتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
کوہ ساروں کا، خیابانوں کا، گلزاروں کا
منہ دھلاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
موچ نکہت سے خدائی مہک انھی اختی
پھول اڑاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی

(اختُر شیرانی)



احسان دانش

(۱۹۸۲ء-۱۹۱۳ء)

نام احسان الحق اور تخلص بھی احسان ہی تھا۔ کبھی وہ اپنے والد قاضی دانش علی کی نسبت سے اپنا پورا نام احسان بن دانش لکھتے تھے۔ پھر احسان دانش لکھنے لگے جو بعد میں اضافت کی زیر کو حذف کر کے احسان دانش کی صورت اختیار کر گیا اور کبھی کبھی اپنا تخلص دانش بھی کرنے لگے۔ ان کا آبائی وطن باغ پت ضلع میرٹھ ہے لیکن احسان دانش کی ولادت، پرورش اور ابتدائی تعلیم اپنی والدہ کے قبے کا ندھدہ ضلع مظفر آباد (ہندوستان) میں ہوئی۔ گھر یومانی حالت اچھی نہ تھی اس لیے باقاعدہ تعلیم نہ پاسکے اور وقتاً فوقاً معمولی نوعیت کے کام کرنے لگے جن میں مزدوری کے علاوہ باغبانی اور قلیٰ تک کے کام بھی شامل تھے۔ احسان دانش نے کسی زمانے میں انارکلی بازار لاہور کی بغلی بڑک ایک روڈ پر "مکتبہ دانش"، بھی قائم کیا تھا۔ جہاں وہ مخطوطات (کتابوں کے پرانے نسخے) کا کاروبار کرتے تھے۔

احسان کو شاعری سے لگاؤ چھوٹی عمر ہی سے ہو گیا تھا اور وہ قیامِ پاکستان سے بہت پہلے لاہور آگئے تھے۔ یہاں کے ادبی ماحول نے انھیں بہت جلد محفلوں میں نمایاں کر دیا۔ احسان دانش اردو کے نام و رشاعر اور فاضل ادیب علامہ تاجورنجیب آبادی کے تلامذہ میں شامل تھے۔ وہ مشاعروں میں اپنا کلام نہایت دلکش ترنم سے پڑھتے تھے۔ وہ بہت سادہ، فقیر منش، خوش اخلاق اور ملنسارٹ شخص تھے۔

احسان دانش کے کلام میں نظم، غزل، نغت، قطعہ، رباعی، گیت سب کچھ ملتا ہے لیکن ان کی اصل شہرت بیانیہ نظموں کی وجہ سے ہے۔ وہ خود مزدور تھے اور مزدوروں کے لیے انھوں نے بہت کچھ لکھا، اس لیے انھیں "شاعر مزدور"، بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعری کے کئی ایک مجموعے چھپ چکے ہیں جن میں "آتش سیال"، "نوابے کارگر"، "تفیر فطرت"، "جادہ نو"، "فصل سلاسل" اور "چراغاں" خاص طور پر قبل ذکر ہیں۔ "دارین" کے نام سے ان کا نعتیہ کلام بھی منظر عام پر آچکا ہے۔

احسان دانش نے جو نظمیں محنت مزدوری کے موضوع پر لکھی ہیں، ان میں واقعیت نگاری کارنگ موجود ہے۔ وہ بلاشبہ اردو کے ایک عظیم نظم نگار تھے۔ ان کی غزل میں بھی بغزل کے سارے اوصاف: دل کشی، دل سوزی، دل ربانی اور دل آویزی موجود ہیں۔

شاعری کے علاوہ وہ ایک نثر نگار بھی تھے۔ انھوں نے نثر میں بھی بعض ضروری موضوعات مثلاً ضرب الامثال، تذکر و تائیث اور مترا دفات پر کام کیا جو چھپ چکا ہے۔ احسان دانش نے "جہاں دانش" کے نام سے اپنی آپ بیتی بھی لکھی جو بہت مقبول ہے۔



آزادی

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو احسان و انش کی شخصیت اور فن سے آشنا کرنا۔
- طلبہ کو احسان و انش کی نظم نگاری کی نمایاں خصوصیات کے بارے میں بتانا۔
- طلبہ کو قومی اور ملی شاعروں کا تعارف کرانا اور اس کے پس منظر سے روشناس کرنا۔
- طلبہ کو آزادی کی نعمت کے بارے میں آگاہ کرنا اور یہ بات باور کرانا کہ جہاں آزادی کے حصول کے لیے محنت اور ایثار ضروری ہے، وہاں آزادی کی حفاظت کے لیے بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔

عبادت ہے سراپا جذبہ تعمیر آزادی
 شہادت مستقل اک سُرخی تحریر آزادی
 جہاں آزاد کر سکتے نہ ہوں تقریر آزادی
 وہ آزادی مری نظروں میں ہے تحقیر آزادی
 فضائیں کر رہی ہیں ذوقِ ایثار و عمل پیدا
 لہو میں دوڑتا ہے شعلہ تاثیر آزادی
 لہو موسم نے رویا، گردش گروں نے رُخ بدلا
 مرے خوابوں میں نازل ہو گئی تعمیر آزادی
 جو کہنا تھا اُسے سب کہ گیا قرآن کے پرده میں
 زمانہ حشر تک کرتا رہے تفسیر آزادی
 لہو برسا، بہے آنسو، لئے رہرو، کئے رشتے
 ابھی تک نامکمل ہے مگر تعمیر آزادی
 مجھے دنیا کے ہر گوشے میں قدیمیں جلانے دو
 مرا مذهب ہے اک پیغام عالمگیر آزادی
 زمانے کو اب آزادی کے معنی ہم بتائیں گے
 غلط ہوتی رہی ہے آج تک تفسیر آزادی

تڑپ کر بزم میں داشت چلے آتے ہیں پروانے
اندھروں سے مگر پھوٹی نہیں تنویر آزادی

(فصل سلاسل)



مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) آزادی، تحریر آزادی کیسے ہے؟

(ب) شاعر نے کس چیز کو عبادت قرار دیا ہے؟

(ج) قرآن کے پردے میں کیا پیغام دیا گیا ہے؟

(د) کون سی قربانیاں دینے کے باوجود ابھی تک تعمیر آزادی ناکمل ہے؟

(ه) شاعر کے خیال میں اس کا مذہب کس چیز کا پیغام دیتا ہے؟

۲۔ درست جواب کی نشان وہی کریں:

(i) جذبہ تعمیر آزادی سراپا ہے:

(الف) بندگی

(ب) عبادت

(ج) اطاعت

(د) عنایت

(ii) تحریر آزادی کی مستقل سُرخی ہے:

(الف) محبت

(ب) شہادت

(ج) عقیدت

(د) افت

(iii) اس نظم میں "آزادی" ہے:

(الف) قافیہ

(ب) ردیف

(ج) قافیہ اور ردیف دونوں

(د) تشبیہ

(iv) یہ نظم بیت میں لکھی گئی ہے:

(الف) مثنوی

(ب) رباعی

(ج) مسدس

(د) غزل

(v) "تفسیر آزادی" قواعد کی رو سے ہے:

(الف) مرکب اضافی

(ب) مرکب توصیفی

(ج) مرکب عطفی

(د) مرکب تام

(vi) شاعر جلانا چاہتا ہے:

(الف) چراغ

(ب) شمعیں

(ج) قندیلیں

(د) مومن بیان

۳۔ لفظ "آزادی" کا خلاصہ تحریر کریں۔

۴۔ لفظ کی مدد سے درج ذیل الفاظ پر درست اعراب لگائیں، مطلب لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں:

سرپاپا مستقل ذوق شعلہ قدمی تنویر

۵۔ نظم میں استعمال ہونے والے مرکب اضافی اور مرکب عطفی کی فہرست بنائیں اور معانی لکھیں۔

۶۔ محاسنِ شعری اور حوالوں کے ساتھ درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

عبادت ہے سراپا جذبہ تعمیر آزادی
شہادت مستقل اک نئی تحریر آزادی
جہاں آزاد کر سکتے نہ ہوں تقریر آزادی
وہ آزادی مری نظروں میں ہے تحقیر آزادی
فضائیں کر رہی ہیں ذوق ایثار و عمل پیدا
لہو میں دوڑتا ہے شعلہ تاثیر آزادی

۷۔ احسانِ دانش کی نظم ”آزادی“ کا یہ شعر غور سے پڑھیں:

جو کہنا تھا اُسے، سب کہ گیا قرآن کے پردے میں
زمانہ حشر تک کرتا رہے تفسیر آزادی

اس شعر میں غالبہ اقبال کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ اقبال کے درج ذیل اشعار پڑھیں اور ان کے نظریہ آزادی و غلامی پر تبصرہ کریں:

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبائی کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبائی
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ خر کی آنکھ ہے بینا
وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی بہت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

احسانِ دانش کے درج ذیل شعر کی تشریح کریں:

مجھے دنیا کے ہر گوشے میں قدیمیں جانے دو

مرا مذہب ہے اک پیغامِ عالمگیر آزادی

۸۔ مولانا ظفر علی خاں کے درج ذیل اشعار پر تحریک آزادی کے تناظر میں تنقید اور تبصرہ کریں:

کوئی دن جاتا ہے پیدا ہو گی اک دنیا نئی

خونِ مسلم صرفِ تعمیر جہاں ہو جائے گا
 بجلیاں غیرت کی تڑپیں گی فضائے قدس میں
 حق عیاں ہو جائے گا، باطل نہاں ہو جائے گا
 لغہ آزادی کا گونجے گا حرم اور دیر میں
 وہ جو دارالحرب ہے ، دارالامان ہو جائے گا
 ۱۰۔ ہندوستان کی آزادی کے لیے سلطان ٹیپو کی کوششوں کے موضوع پر دو دوستوں کے مابین مکالمہ تحریر کریں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

”شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوالہ زندگی سے بہتر ہے۔“ کے موضوع پر مباحثے میں حصہ لیں اور اپنے نقطہ نظر کے حق میں دلائل دیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- ۱۔ ذرست تلقظ اور اتار چڑھاؤ کے ساتھ نظم کی مثالی بلند خوانی کریں۔
- ۲۔ مرگبات اور تراکیب کی وضاحت کریں۔
- ۳۔ شعری اصطلاحات کا تعارف مثالوں کے ساتھ کرائیں۔
- ۴۔ آزادی کی اہمیت واضح کریں اور تاریخی، سیاسی، مذہبی اور سماجی حوالوں سے ادب پاروں کی تفہیم کا شعور اجاگر کریں۔





رحمان بابا

(۱۹۳۲ء۔۱۱۷۱ء)

نام عبد الرحمن ہے۔ آپ ۱۹۳۲ھ میں پشاور کے قریب ”بہادر کلے“، ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اور رحمان بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام عبدالستار تھا جو مہمند قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ فقہ اور تصوف کی تعلیم اپنے گاؤں کے جنید عالم دین ملا محمد یوسف سے حاصل کی۔ اس کے بعد کو بات چلے گئے جہاں آپ نے جذب و سلوک کی منزلیں طے کیں۔ جوانی ہی میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اکثر عشق ربیٰ میں ڈوبے رہتے۔

پشتون کے عظیم شاعر رحمان بابا ایک صاحب طرز شاعر ہیں جو دوسرے پشتون شعرا سے الگ اپنا مکتب فکر رکھتے ہیں۔ رحمان بابا کے کلام میں خودی کی تعلیم اور عالم گیر انسانی مساوات کا درس ملتا ہے۔ آپ کا پیغام محبت ہے۔ تمام انسانوں سے محبت، ساری کائنات سے محبت۔ اگر نفرت ہے تو خلم سے، بے انصافی سے، احتصال سے، جبر و تشدد اور آمریت سے۔ یہی آپ کی منتصو فانہ شاعری کی اساس ہے اور یہی خصوصیت ہے جو انہیں دوسرے پشتون شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔ مجموعی طور پر ان کے ہاں اخلاقی پہلو غالب ہے لیکن انہوں نے اس ناصحانہ اسلوب کو بھی خشک اور ناگوار نہیں رہنے دیا اسی لیے وہ پشتون شاعری کے ”حافظ شیرازی“ کہلاتے ہیں۔



پروفیسر محمد طاہ خان

(۱۹۳۱ء۔۲۰۱۳ء)

پروفیسر محمد طاہ خان ایک کثیر الجہت شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے علم و ادب کے میدان میں مختلف پہلوؤں سے اپنی پہچان کروائی۔ وہ ایک قابل استاد تھے جو ان کی بنیادی حیثیت تھی۔ اپنے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ انہوں نے تنقید و تحقیق، شاعری اور ترجمہ کرنے میں بھی اپنے جو ہر دکھائے۔ وہ ایک براڈ کاسٹر بھی تھے۔ ان سب صفاتیوں کے علاوہ طنزیہ و مزاحیہ شاعری ان کی خاص پہچان ہے۔ انہوں نے عظیم پشتون شاعر رحمان بابا کے صوفیانہ کلام کا منظوم ترجمہ اردو زبان میں کیا جو ”متاع فقیر“ کے نام سے چھپ چکا ہے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے ان کی ادبی خدمات پرے ۲۰۰۴ء میں انہیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا گیا۔



سبق: ۱۶

کلام: رحمان بابا

منظوم اردو ترجمہ: پروفیسر محمد طہ خان

اخلاص

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو رحمان بابا کی شخصیت اور فن سے متعارف کرانا۔
- طلبہ کو پشتو ادب کی امتیازی خصوصیات کے بارے میں بتانا۔
- طلبہ کو پاکستان کی علاقائی زبانوں میں صوفیانہ افکار سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ کی اخلاقی تربیت کرنا اور فکر رحمان بابا کے آئینے میں اپنے کردار کو سنوارنے کی ترغیب دینا۔

هم دوشِ شریا ہے مقامِ اخلاص
 جو ملتا ہے، ملتا ہے غلامِ اخلاص
 گو فرش سے تا عرش سفر ہے دُشوار
 طے کرتی ہے بے یک جنبش گامِ اخلاص
 فانی ہے ہر اک چیز، ہر اک رسم و رواج
 باقی ہے مگر ایک، دوامِ اخلاص
 اسلام ہے پابندیِ اخلاص کا نام
 اور نام ہے اسلام کا نامِ اخلاص
 صیاد کو ممکن ہے ہمہ ہاتھ لگے
 پھیلائے محبت سے جو دامِ اخلاص
 شیرتني گفتار پہ حیرت کیسی
 ہے گفتہ رحمان، کلامِ اخلاص

(متانع فقیر)



مشق

۱۔ مختصر جواب دیجئے۔

(الف) نظم ”اخلاص“ میں انسانی کردار کے کس اعلیٰ وصف کا ذکر کیا گیا ہے؟

(ب) ”هم دو شریا“ کا مطلب و مفہوم کیا ہے؟

(ج) اخلاص کا ایک قدم انسان کو کس مقام اور مرتبے تک پہنچادیتا ہے؟

(د) شاعر نے صیاد کو کس کامیابی کی نوید سنائی ہے؟

(ه) گفتہ رحمان کا مطلب کیا ہے؟

۲۔ نظم کے متن کے مطابق مصرع مکمل کریں۔

(الف) گوفرش سے تا عرش ہے دشوار

(ب) طے کرتی ہے گامِ اخلاص

(ج) اسلام ہے پابندی کا نام

(د) اور نام ہے کا نامِ اخلاص

(ه) صیاد کو ممکن ہے ہاتھ لگے

۳۔ درست جواب کی نشان دہی کریں۔

(i) نظم اخلاص ترجمہ کی گئی ہے:

(الف) پشتو سے (ب) سندھی سے (ج) بلوچی سے (د) سرائیکی سے

(ii) ہر کوئی غلام ہے:

(الف) دولت کا (ب) محبت کا (ج) اخلاص کا (د) عظمت کا

(iii) دنیا میں دوام حاصل ہے:

(الف) نیکی کو (ب) اخلاص کو (ج) محبت کو (د) جمال کو

(iv) پابندی اخلاص نام ہے:

(الف) جہاد کا (ب) قرآن کا (ج) اسلام کا (د) دین کا

(v) اس نظم کی بیانت ہے:

(الف) غزل (ب) مخس (ج) مسدس (د) مشنوی

۴۔ پاکستان کی علاقائی زبانوں میں صوفیانہ کلام کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ پنجاب کے کسی بزرگ صوفی شاعر کے چند اشعار کے حوالے سے ان کا تعارف کرائیں۔

۵۔ درج ذیل شعر کی روشنی میں اخلاص کی وضاحت کریں:

اسلام ہے پابندی اخلاص کا نام

اور نام ہے اسلام کا نام اخلاص

۶۔ نظم ”اخلاص“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

۷۔ نظم اخلاص میں استعمال ہونے والے مرکبات کے معنی لکھیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

طلبہ نظم اخلاص کے قوانین کی پہچان کرتے ہوئے، ان کی فہرست ترتیب دیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

۱۔ طلبہ کو اس نظم کے پوشیدہ پیغام سے روشناس کرائیں۔

۲۔ صوفیانہ افکار کے حامل چند اردو شعرا سے متعارف کرائیں۔





سید محمد جعفری

(۱۹۰۵ء-۱۹۷۶ء)

اکبرالہ آبادی کے بعد طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں سید محمد جعفری کا نام بہت نمایاں ہے۔ سید محمد جعفری بھرت پور (ہندوستان) کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے اور تعلیم کے زیادہ تر مراحل لاہور میں طے کیے۔ ان کے والد سید محمد علی جعفری، جو اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور کے پرنسپل تھے، تاریخ اور فلسفے کے عالم تھے۔ مولانا شبل نعمانی اور علامہ اقبال جیسے عظیم لوگوں سے ملنے والوں میں سے تھے اور شعر و شاعری کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سید محمد جعفری کے سامنے کسپ معاش کا مسئلہ پیش آیا تو چند دن "زمیندار" سے وابستہ رہ کر صحافت کا شوق پورا کیا اور دو ایک اسکولوں کے بعد گورنمنٹ کالج لاہل پور (فیصل آباد) میں پڑھایا اور پھر ۱۹۳۰ء میں محکمہ اطلاعات میں انفارمیشن آفیسر بن کر داخلی چلے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان آگئے۔ ۱۹۶۳ء میں بحیثیت پرنس اور کلچرل اتاشی مقرر ہوئے جہاں سے ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہوئے تو کراچی میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور وہیں وفات پائی اور آسودہ خاک ہوئے۔

سید محمد جعفری میں صفری ہی سے مزاج کی جس بہت تیز تھی اور شعر کہنے کا ملکہ بھی فطری طور پر موجود تھا، چنان چہ اپنے ہی سے فرضی صورت حال کو شعر کے قالب میں ڈھانے لگے تھے۔ انھوں نے باقاعدہ کبھی کسی سے اصلاح نہ لی البتہ دوران ملازمت ان کا دوسال تک قیام لکھنؤ میں رہا تو وہاں ظریف لکھنؤی، عزیز لکھنؤی اور دوسرے اساتذہ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ سید محمد جعفری، اکبرالہ آبادی کے بڑے مدح تھے اور انھیں اردو کا سب سے بڑا مزاحیہ شاعر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکبرالہ آبادی کی طرح ان کی نظموں کا بڑا موضوع بھی تہذیبی تضاد سے دوچار معاشرہ اور اردو گردکا ماحول ہے۔

سید محمد جعفری نہایت ذہین مزاج نگار تھے۔ ان کے یہاں مزاج کی لطافت اور شفقتگی زیادہ اور طنز کی تجنی کم ہے۔ وہ معاشرتی کرداروں اور اجتماعی زندگی کی منافقانہ صورتِ حال کو مزاج کے انداز میں عیاں کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کے دو مجموعے "شوہی تحریر" اور "تیر نیم کش" اور ان کے انتقال کے بعد ان کا تمام کلام "کلیات سید محمد جعفری" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کی نظم "کھڑا ڈر"، مغرب کی دیکھا دیکھی ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ کے موقعوں پر کھڑا ہو کر کھانے کے نظام کی صورتِ حال پر اظیف طنز ہے۔



کھڑا ڈنر

تدریسی مقصود:

- طلبہ کو مزاحیہ ادب بالخصوص مزاحیہ شاعری کے بارے میں آگاہ کرنا۔
- سید محمد جعفری کے مزاحیہ کلام کا جائزہ لینا۔
- نظم "کھڑا ڈنر" میں پیش کردہ منظر کی وضاحت کرنا۔
- طلبہ کو بتانا کہ مغربی تہذیب کی نقلی نے ہمارے رنگ ڈھنگ، نشت و برخاست اور طعام و کلام کو متاثر کیا ہے۔

کھڑا ڈنر ہے غریب اللہ یار کھاتے ہیں بنے ہوئے شتر بے مہار کھاتے ہیں
 اور اپنی میز پر ہو کر سوار کھاتے ہیں کچھ ایسی شان سے جیسے ادھار کھاتے ہیں
 شکم غریب کی یوں فرست ایڈ ہوتی ہے
 ڈنر کے سائے میں فوجی پریڈ ہوتی ہے
 کھڑے ہیں میز کنارے جو ایک پیٹ لیے انھی نے کوفتے اپنے لیے پیٹ لیے
 ادھر ادھر کے جو کھانے تھے سب سمیٹ لیے کھڑا تھا پیچھے سو میں رہ گیا پلیٹ لیے
 یہ میز ہو گئی خالی اب اور کیا ہوگا
 "پلاو کھائیں گے احباب فاتحہ ہو گا"
 تھی ایک مرغ کی ٹانگ اور رقیب لے بھاگا مرا نصیب بھی جاگا ، پہ دیر میں جاگا
 کباب اٹھایا تو اس میں لپٹ گیا دھاگا ڈنر یہ کیا کہ نہ پیچھا ہے جس کا نے آگا
 یہ کیا خبر تھی میں آیا تھا جب ڈنر کھانے
 "حقیقوں کو سنجالے ہوئے ہیں افسانے"
 وہ ایک میز خواتین گرو صف آرا لبوں سے ان کے روائیں گفتگو کا فوارہ
 میں ایک گوشے میں سہا کھڑا ہوں بے چارہ کہ یہ ہیں تو اٹھاؤں میں نان کا پارہ
 اسیرِ حلقةِ خوبیاں جو مرغ و ماہی ہیں
 تو ہم شہید تم ہائے کم نگاہی ہیں

(شوٹی تحریر)



مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) ”کھڑاڑز“ کون کھاتے ہیں؟

(ب) ”پلاٹ کھائیں گے احباب، فاتحہ ہوگا“ کس شاعر کے کلام سے تضمین کی گئی ہے؟

(ج) مرغ کی ٹانگ کون لے بھاگا؟

(د) ”نُشِر بے مہار“ سے کیا مراد ہے؟

(ه) گفت گوا فتوارہ کن کے لبوں سے روایت ہوا؟

۲۔ درست جواب کی نشان وہی کریں:

(i) ”اوہار کھانا، اُرڈ و قواعد کی رُو سے ہے:

(د) تمیق

(ج) کہاوت

(ب) محاورہ

(الف) ضرب المثل

(ii) فوجی پر پڑھوتی ہے:

(الف) شجر کے سامنے میں (ب) ڈنگ کے سامنے میں (ج) ٹواروں کے سامنے میں (د) دیوار کے سامنے میں

(iii) مرغ کی ٹانگ لے بھاگا:

(د) بچہ

(ج) نوجوان

(ب) حریف

(الف) رقب

(iv) ”آگا، پیچا“ اُرڈ و قواعد کی رُو سے ہیں:

(د) متراوف الفاظ

(ج) متناد الفاظ

(ب) مرکب عطفی

(الف) ذو معنی الفاظ

(د) باقی صدیقی

(ج) شاعر لکھنوی

(ب) شاعر لکھنوی

(الف) افتخار عارف

(ج) سلطان اختر

(ب) سلطان اختر

(الف) غریب الدیار، شکم، رقب، حقیقت، صفات،

کم نگاہی

۳۔ نظم کھڑاڑز میں شاعر نے کس طرح مزاجیہ یقیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے؟

۴۔ ذیل میں دیے گئے الفاظ و تراکیب کے معانی لکھیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں:

۵۔ نظم کے متن کے مطابق مصرع مکمل کریں:

(الف) کھڑاڑز ہے کھاتے ہیں

(ب) غریب کی یوں فرست ایڈھوتی ہے

(ج) کھڑے ہیں میز جو ایک پیٹ لیے

(د) کباب اٹھایا تو اس میں گیادھاگا

(ه) کو سنجالے ہوئے ہیں افسانے

رعايت لفظی: عبارت یا شعر میں کسی لفظ کو اس طریقے سے استعمال کرنا کہ پڑھنے یا سننے والے کو اس لفظ کے مختلف مطالب و معانیم کا احساس ہوا اور اس سے مزاج کا تاثر بھی پیدا ہو، رعايت لفظی کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اکبرالہ آبادی نے کہا ہے:

عشقی کا ہو برا اس نے بگاڑے سارے کام
ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

أرڈ او ر بنجابی کے ممتاز مزاحیہ شاعر انور مسعود نے اپنے بہت سے قطعات میں رعايت لفظی سے خوب کام لیا ہے۔ ذیل میں دیا گیا ان کا ایک مشہور قطعہ رعايت لفظی کی بہترین مثال کے ساتھ ساتھ ہمارے موجودہ حالات سے مطابقت بھی رکھتا ہے:

جو ضرب بھی لگی ہے وہ پہلے سے بڑھ کے تھی
ہر ضرب کرب ناک پ میں تبلبا اٹھا
پانی کا ، سولی گیس کا، بجلی کا ، فون کا
بل اتنے آگئے کہ میں بلبا اٹھا

۶۔ لظم "کھڑا ڈر" کے درج ذیل بند کی تشریح کریں:

کھڑا ڈر ہے غریب الدیار کھاتے ہیں
بنے ہوئے شہر بے مہار کھاتے ہیں
اور اپنی میز پر ہو کر سوار کھاتے ہیں
کچھ ایسی شان سے جیسے ادھار کھاتے ہیں
شکم غریب کی یوں فرست ایڈ ہوتی ہے
ڈر کے سائے میں فوجی پریڈ ہوتی ہے

۷۔ لظم "کھڑا ڈر" کا خلاصہ لکھیں۔

۸۔ شامل نصاب لظم "کھڑا ڈر" چار بندوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلے دو بندوں کی ردیف کیا ہے؟ قوانی کی فہرست بھی مرتب کریں۔
سرگرمی برائے طلبہ:

- طلبہ انٹرنیٹ کی مدد سے یا اپنے کالج کی لائبریری سے طزو مزاج کے کسی اور معروف شاعر جیسے: دلاؤ رنگار، سید ضمیر جعفری، شان الحق حقی وغیرہ کی منتخب مزاحیہ نظمیں تلاش کریں اور اپنی جماعت کے کمرے میں پڑھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- اساتذہ کرام طلبہ کو سید محمد جعفری کی شخصیت سے متعارف کرتے ہوئے ان کی مزاحیہ شاعری کی خصوصیات کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔
- اساتذہ کرام طلبہ کو رعايت لفظی کی تفہیم کرتے ہوئے انھیں مختلف نثری اور شعری مثالوں کی مدد سے سمجھائیں۔





میر تقی میر

(۱۷۲۳ء۔۱۸۱۰ء)

میر محمد تقی نام اور میر خلص تھا۔ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد علی نقی ایک درویش منش انسان تھے اور تصوف سے بہت گہرا تعلق رکھتے تھے۔ میر کے والدین ان کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ کچھ عرصہ تک ان کی پرورش منحو بولے چچا میر امان نے کی پھر وہ بھی انتقال کر گئے۔ ان ساتھیات کے بعد میر آگرہ کو خیر باد کر دہلی آگئے۔ دہلی میں اپنی سوتیلی والدہ کے بھائی سراج الدین احمد خان آرزد (جو خود بھی فارسی کے بہت بڑے عالم، لغت نویس اور شاعر تھے۔) کے پاس پہنچے، مگر جلد ہی آگرہ واپس آگئے۔ کچھ عرصہ آگرہ میں گزارا اور پھر دہلی جا پہنچے۔ مختلف امرا کے درباروں سے مسلک رہے اور تنخواہ پاتے رہے۔ مگر وہ زمانہ سخت تباہ حالی اور بد امنی کا تھا لہذا میر گہیں لیکر ملازمت نہ کر سکے۔ بہت سے شعر اسلطنت اور دہلی کی خوش حالی اور آرام طلب ماحول کے باعث لکھنؤ جا کر بس رہے تھے۔ میر بھی نواب آصف الدولہ کی دعوت پر لکھنؤ چلے گئے مگر وہاں پر اپنی خود پسندی کے باعث جلد ہی دربار سے علیحدہ ہو گئے۔ آخری عمر شنگ دستی میں گزری۔ لکھنؤ میں وفات پائی۔ مدفن بھی وہیں ہوئی۔ ان کی قبر کے کتبے پر ان کا یہ شعر کندہ ہے:

سر بانے میر کے آہستہ بولو
ابھی تک رو تے رو تے سو گیا ہے

— میر کو ”خدائے سخن“ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے عہد کی تمام مر odio جا اضاف سخن قصیدہ، مشنوی، رباعی، قطعہ، مرثیہ، واسوخت اور غزل میں طبع آزمائی کی لیکن بنیادی طور پر ان کی پہچان غزل گوئی ہے۔ میر کے ذاتی تجربات، ان کے گرد و پیش اور خاندان میں جاری صوفیانہ روایت نے ان کی غزل کی بنیاد رکھی۔ میر کی غزل میں احساس کی شدت، مشاہدے کی وسعت، سادگی بیان، بے ساختگی، رمز و ایما بیت، موسیقیت و ترجم، تجربے کی گہرائی اور قدرت ادا کی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ میر کی عظمت کو ان کے بعد میں آنے والے تمام شعراء نے تسلیم کیا ہے جیسا کہ مرزا غالب نے کہا ہے:

رمختنے کے تمییں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

میر کی تصنیف میں چھے دیوان (اردو)، ایک دیوان (فارسی)، اردو شاعروں کا ایک تذکرہ نکات الشعرا، ان کی خود نوشت ”ذکرِ میر“ اور چند متفرق رسائل شامل ہیں۔



غزل

تدریسی مقاصد:

- طلبہ میں میر کی غزل کے حوالے سے تنقید اور تحسین کی صلاحیت پیدا کرنا۔
- طلبہ کو شعری اصطلاحات اور صنائع بدائع سے آگاہ کرنا۔
- میر کے عہد کی ثقافت، معاشرت اور تاریخ کو سمجھنا۔
- طلبہ کی تخلیقی، جذباتی، نفسیاتی اور تنقیدی صلاحیتوں کو ابھارنا۔

پتا پتا بُٹا، حال ہمارا جانے ہے
 جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے
 لگنے نہ دے بس ہو تو اس کے گوہر گوش کو بالے تک
 اس کو فلک چشمِ مہ و خور کی پُتلی کا تارا جانے ہے
 عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہوگا دنیا میں
 جی کے زیان کو عشق میں اس کے اپنا وارا جانے ہے
 چارہ گری بیماری دل کی رسمِ شہرِ خُن نہیں
 ورنہ دلبر ناداں بھی اس درد کا چارہ جانے ہے
 مہر و وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں
 اور تو سب کچھ طفر و کنایہ رمز و اشارہ جانے ہے
 تکہ خون ہے اپنا کتنا میر بھی ناداں تلقی کش
 دم دار آب تنخ کو اس کی آب گوارا جانے ہے

(کلیات غزلیات میر)



مشق

۱۔ مندرجہ ذیل کے مختصر جواب دیں:

(الف) میر کے نزدیک کون اس کے حال سے واقف نہیں؟

(ب) شہر حسن کی رسم کیا ہے؟

(ج) اس غزل کی روایت کچھیں اور قوافی کی نشان دہی کریں۔

(د) ”اور تو سب کچھیں طز و کنایہ رمز و اشارہ جانے ہے“ کے مصرع میں طز و کنایہ اور رمز و اشارہ کی وضاحت کریں۔

(و) میر کے خون کا پیاسا کون ہے اور میر ”آب تیغ“، ”آب گوارا“ کیوں سمجھتا ہے؟

۲۔ مصرع مکمل کریں:

(الف) جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے تو سارا جانے ہے

(ب) چارہ گری بیماری دل نہیں

(ج) ایک سے واقف ان میں نہیں

(د) اس کے فلک چشم مددو خور کی کاترا جانے ہے

(و) تکش خون ہے اپنا کتنا میر بھی ناداں

۳۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) عاشق ساتو کوئی اور نہ ہو گا دنیا میں:

(الف) پاگل (ب) دیوانہ (ج) ہوشیار (د) سادہ

(ii) جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے:

(الف) گلتاں تو سارا جانے ہے

(ج) باعث تو سارا جانے ہے

(iii) رسم شہر حسن نہیں:

(الف) چارہ گری کرنا (ب) مر ہم رکھنا (ج) نظر کرم کرنا (د) اتفاقات کرنا

(iv) ”پتا، بوٹا، گل اور باعث“ کے الفاظ علم بیان کی رو سے ہیں:

(الف) مجاز مرسل (ب) کنایہ (ج) مراعات انظیر (د) صنعت تکرار

(v) تلخی کش سے مراد ہے:

(الف) تلخ بات کہنے والا (ب) کڑوی دواپیٹنے والا (ج) تلخی کو ناپسند کرنے والا (د) تلخی برداشت کرنے والا

۴۔ اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں۔

تغییر	رسم	زیان	چشم	تشنه	دمدار
-------	-----	------	-----	------	-------

۵۔ مندرجہ ذیل تراکیب کے معانی لکھیں:

آب تغییر	رسم شہر حسن	اطف و عنایت	تکش نخون	چارہ گری
مزدا شارہ	آب گوارا	مہر و وفا	تغییر کش	

۶۔ میر کی شامل کتاب غزل کو درست تلفظ، حن اور آہنگ سے بآواز بلند پڑھیں۔

۷۔ درج ذیل شعر کی تشریح فکری اور فنی حوالے سے کریں:

چارہ گری بیماری دل کی رسم شہر حسن نہیں
ورنہ دلبر ناداں بھی اس درد کا چارہ جانے ہے

۸۔ آپ نے میر تقی میر کی غزل پڑھی، آپ کو اس غزل میں سے کون سا شاعر پسند آیا ہے؟ پسندیدگی کی وجہ بھی بتائیں۔

۹۔ میر تقی میر کی اس غزل میں سے ایسے شعر کی نشان دہی کریں جس میں "صنعتِ تکرار" کو برداشت گیا ہو۔

مصرع: مصرع بامعنى الفاظ پر مشتمل وہ سطر ہے کہ اگر نثر میں ہو تو جملہ یا فقرہ کہلانے گا اورنظم یا غزل میں ہو تو مصرع۔ مصرع کے لیے موزوں ہونا ضروری ہے۔ شعر کے پہلے مصرع کو مصرع اولی اور دوسرے کو مصرع ثانی کہتے ہیں۔ مثلاً:

ع یاراں تیز گام نے محمل کا جالیا

شعر: دو مصرع، جو ایک ہی وزن کے ہوں اور ایک خیال کو ظاہر کریں، شعر یا بیت کہلاتے ہیں۔ مثلاً:

مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ
کسی جبیب کی، یہ بھی ہیں جستجو کرتے

قافیہ: ہر شعر کے آخر میں ردیف سے پہلے آنے والے تم آواز الفاظ کو قافیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً: غالب نے اپنی ایک غزل میں قوافي
باندھے ہیں: ہُوا، دوا، ماجرا، مدعى، خدا، وفا، دعا، صد اوغیرہ۔

ردیف: اصطلاح شعر میں قافیہ کے بعد آنے والے وہ لفظ یا ایسے الفاظ جو جوں کے تو بار بار دھرائے جائیں، ردیف کہلاتے ہیں۔ مثلاً:

اب تو کچھ اور ہی اعیاز دکھایا جائے
شام کے بعد بھی سورج نہ بجھایا جائے

احمد ندیم قاسمی کے اس شعر میں "جائے" کا لفظ بطور ردیف استعمال ہوا ہے۔

۱۰۔ میر کی اس غزل سے مطلع، مقطع، قافیہ اور ردیف کی مثالیں تلاش کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- ۱۔ میر تقی میر کی اس غزل کے تمام اشعار زبانی یاد کریں اور اپنے ہم جماعت دوستوں کو صحبت تلقظہ، لے اور آہنگ سے سناں گیں۔
- ۲۔ انٹرنیٹ سے میر کی غزل پر فلمائی گئی ویڈیو ڈاؤن لوڈ کر کے نہیں، دوستوں سے مذکورہ کریں اور اس کے جمالياتي پہلوؤں سے محفوظ ہوں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- طلبہ کو میر تقی میر کی شخصیت، فن اور ان کے عہد کے سماجی، سیاسی اور تہذیبی پہلوؤں سے روشناس کرائیں۔
- دورانِ تدریس اور بعد از تدریس طلبہ سے سوانحی حالات کے بارے میں چند سوالات کریں۔
- طلبہ کو میر کے کم از کم زبان زد خاص و عام اشعار نوٹ کرائیں۔
- طلبہ سے میر کی غزل گوئی کے بارے میں گفتگو کریں۔



برائے مطالعہ

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
کل اس پیہمیں شور ہے پھر نوح گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
زندگی میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشقتہ سری کا
لے سانس بھی آہتہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا
ٹنگ میر جگر سونتہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ ہے چدائی سحری کا

(میر تقی میر)



فرق گورکھ پوری

(۱۸۹۶ء-۱۹۸۲ء)

اصل نام رححو پتی سہائے جب کہ فراق تخلص تھا۔ گورکھ پور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد منشی گورکھ پرشاد ایک تعلیم یافتہ شخص تھے اور ان کا پیشہ دکالت تھا۔ وہ شعرو شاعری میں بھی خاصاً شغف رکھتے تھے۔ عبرت ان کا تخلص تھا۔ فراق کی شاعری میں دل چسپی کی بڑی وجہ ان کا گھر یلو ماحول بھی کہا جاسکتا ہے جس میں پرورش پا کر انہوں نے شعروخن کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔

فرق نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی۔ وہ اردو، فارسی اور انگریزی ادب کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ انہوں نے ۱۹۳۰ء میں انگریزی ادب میں الہ آباد یونیورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ بعد میں شعبۂ تدریس کا انتخاب کیا اور پھر تمام عمر اسی پیشے سے وابستہ رہے۔ غزل کے ساتھ ان کے تنقیدی مضامین اور خطوط نے بھی خاصی شہرت حاصل کی۔ بھارت اور سوویت یونین کی طرف سے ان کی ادبی خدمات پر انھیں اعزازات سے نواز گیا۔

فرق ایک وسیع المطالعہ شاعر تھے اور ان کی مشرقی و مغربی ادب پر گہری نظر تھی، اس لیے انہوں نے اپنی غزلوں میں ان دونوں تہذیبوں سے بھر پور خوشہ چینی کی ہے۔ مزید برآں انھیں آریائی اور دیومالائی کلچر و رش میں ملا تھا۔ چنان چہ اس تجسس اور ذوق نے انھیں مغربی، ایرانی اور ہندوستانی کلچر کا محروم بنادیا۔ سبکی وجہ ہے کہ انگریزی اور فارسی زبانوں اور تہذیبوں کے ملنے جلے اثرات نے ان کے ذہن و دل کی گہرائیوں میں اتر کرنے نئے خیالات پیدا کیے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے۔ فرق نے غزل میں نئے موضوعات متعارف کرائے اور غزل کو حیاتِ نو بخشی۔ فرق گورکھ پوری کی تصانیف میں ”پچھلی رات“، ”چراغاں“، ”گل نغمہ“، ”مشعلہ ساز“، ”روح کائنات“، ”غزلستان“، ”شہنشاہان“، ”آرزو کی عشقیہ شاعری“ اور ”اردو غزل گوئی“ شامل ہیں۔ ان کا نام کلام ”کلیاتِ فرق“ کی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔



غزل

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو فراق گورکھ پوری کی غزل کی نمایاں خصوصیات سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ میں تخلیقی اور تنقیدی صلاحیتیں پیدا کرنا۔
- طلبہ میں فراق کی غزل میں موجود انسانی جذبات و احساسات کی تفہیم پیدا کرنا۔
- طلبہ کو فراق گورکھ پوری کی غزل کے فلسفیانہ پہلوؤں سے آشنا کرنا۔

سر میں سودا بھی نہیں ، دل میں تمنا بھی نہیں
 لیکن اس ترک محبت کا بھروسہ بھی نہیں
 دل کی گفتگی نہ یگانوں میں، نہ بیگانوں میں
 لیکن اس جلوہ گہرے ناز سے اٹھتا بھی نہیں
 مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست!
 آہ اب مجھ سے تری رنجش بے جا بھی نہیں
 ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
 اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں
 یوں تو ہنگامے اٹھاتے نہیں دیوانہ عشق
 مگر اے دوست! کچھ ایسوں کا ٹھکانا بھی نہیں
 ارے صیاد ہمیں گل ہیں ہمیں بلبل ہیں
 تو نے کچھ آہ سنا بھی نہیں دیکھا بھی نہیں
 منھ سے ہم اپنے برا تو نہیں کہتے کہ فراق
 ہے ترا دوست ، مگر آدمی اچھا بھی نہیں

(کلیات فراق)



مشق

۱۔ مندرجہ ذیل کے مختصر جواب دیں:

- (الف) شاعر کو ترکِ محبت کا بھروسہ کیوں نہیں؟
- (ب) دیوانہِ عشق کیا کچھ کر سکتا ہے؟
- (ج) ”جلوہ گہ ناز“ سے کیا مراد ہے؟
- (د) شاعر شکوہ جو روستم کیوں نہیں کرنا چاہتا؟
- (و) مقطع میں شاعر نے اپنے بارے میں کیا رائے دی ہے؟

۲۔ مصرع مکمل کریں:

- (الف) سر میں بھی نہیں، دل میں تمبا بھی نہیں
- (ب) دل کی گئتی ن..... میں، نہ بیگانوں میں
- (ج) شکوہ جو رکرے کیا کوئی اس سے جو
- (د) کو محبت نہیں کہتے اے دوست!
- (و) ہے ترا دوست مگر اچھا بھی نہیں

۳۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) غزل کے پہلے شعر کو کہتے ہیں:

(ج) حسن مطلع	(ب) مطلع	(الف) مقطع
(د) مطلع ثانی		

(ii) ترکِ محبت کا نہیں ہے:

(الف) کوئی انجام	(ب) بھروسہ
(د) اعتبار	(ج) فائدہ

(iii) ”یگانوں“ سے مراد ہے:

(الف) بیگانے لوگ	(ب) اپنے لوگ
(د) منفرد لوگ	(ج) تھالوگ

(iv) کو محبت نہیں کہتے اے دوست!

(الف) ارزانی	(ب) عداوت
(د) مہربانی	(ج) شفقت

(v) مقطع میں صنعت استعمال ہوئی ہے:

(الف) صنعتِ مبالغہ	(ب) صنعتِ تکرار	(ج) صنعتِ تضاد
(د) صنعتِ مراعاتِ لاظیر		

۴۔ غزل کو تھت اللفظ کے انداز میں پڑھیں کہ غزل کا رچا اور معنی آفرینی آپ پر کھل جائے۔

۵۔ درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کی تذکیرہ و تائیث واضح ہو جائے:

الفاظ	جملوں میں استعمال
سودا	
تمنا	
بھروسہ	
ہنگامہ	
شوخ	

۶۔ اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں:

سودا تمنا عشق شکوہ جور مدت رنجش

مطلع: کسی قصیدے، غزل یا قصیدہ نما نظم کے پہلے شعر کو، جس کے دونوں مصربے ہم قافیہ وہم ردیف ہوں، مطلع کہتے ہیں۔

خُنِ مطلع: مطلع کے بعد اگر ایک اور مطلع آجائے تو اسے حسن مطلع کہتے ہیں۔ مثلاً: شیخ غلام ہمدانی مصطفیٰ کی ایک غزل کا حسن مطلع ملاحظہ ہو:

دنیا میں جب تک کہ یہیں اندوہ گیس رہا
دل غم سے اور دل سے مرے غم قریں رہا
روئے سے کام بس کہ شب اے ہم نشیں رہا
آنکھوں پہ کھینچتا میں سر آتیں رہا

مقطع: کسی غزل کے آخری شعر کو، جس میں شاعر اپنا تخلص بھی لاتا ہے، مقطع کہتے ہیں اور اگر شاعر نے تخلص استعمال نہیں کیا تو پھر

اسے مقطع نہیں بلکہ مخصوص غزل کا آخری شعر کہیں گے۔ مثلاً: مرزاداغ کی ایک غزل کا مقطع ملاحظہ ہو:

نہیں کھیل اے داغ! یاروں سے کہ دو
کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے

۷۔ فراق کی اس غزل میں مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- ۱۔ فراق کی غزل ”بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں“ یو ٹیوب سے سنیں اور اس کی خصوصیات آپس میں زیر بحث لائیں۔
- ۲۔ طلبہ باہم بیت بازی کا مقابلہ کریں۔

ہدایات برائے اسامنڈہ کرام:

- ۱۔ طلبہ کو فنِ غزل گوئی سے متعلق اہم نکات بتائیں۔
- ۲۔ طلبہ میں شعری ذوق پیدا کرنے کی کوشش کریں۔
- ۳۔ فراق کی اس غزل کا فکری اور فنی سطح پر محکمہ کریں۔



برائے مطالعہ

غزل کے ساز انھاؤ بڑی اُداس ہے رات
 نوائے میر سناو بڑی اُداس ہے رات
 نوائے درد میں اک زندگی تو ہوتی ہے
 نوائے درد سناو بڑی اُداس ہے رات
 سمیٹ لو کہ بڑے کام کی ہے دولت غم
 اسے یونہی نہ گنواؤ بڑی اُداس ہے رات
 اسی کھنڈر میں کہیں کچھ دیے ہیں ٹوٹے ہوئے
 انھیں سے کام چلاو بڑی اُداس ہے رات
 دو آتشہ نہ بنا دے اسے نوائے فراق
 یہ سازِ غم نہ سناو بڑی اُداس ہے رات

(فراق گورکھپوری)



منیر نیازی

(۱۹۲۸ء-۲۰۰۶ء)

ممتاز اردو شاعر منیر نیازی کا پورا نام محمد منیر خان تھا۔ وہ خان پور، ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ صرف دو ماہ کے تھے کہ ان کے والدوفات پا گئے۔ ان کے چچاؤں نے ہی ان کی پرورش کی ذمہ داری نبھائی۔ سات سال کی عمر تک خان پور میں ہی رہے اور پھر خاندان کے ہمراہ خان پور چھوڑ کر ساہیوال چلے آئے۔

منیر نیازی نے پرانہ تعلیم ساہیوال میں حاصل کی۔ اس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال میں داخلہ لیا اور میڈریک کا امتحان پاس کیا۔ فوج میں بھرتی ہوئے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

آخر تعلیم کی طرف واپسی ممکن ہوئی اور بہاول پور سے ایف۔ اے پاس کر کے دیال سنگھ کا لج لا ہور میں بی۔ اے میں داخلہ لیا۔ قیامِ پاکستان کے پرآشوب حالات میں تعلیمی سلسلہ ایسا منقطع ہوا کہ پھر جڑنہ سکا۔ ساہیوال میں ایک اشاعتی ادارے ”ارٹنگ پبلشرز“ کی بنیاد رکھی لیکن مالی معاملات کی وجہ سے ادارہ بند ہو گیا۔ شہر میں مجید امجد، انجم رومانی اور صدیق ٹلیم جیسے شعراً و ادبی سے روابط قائم ہوئے۔ مجید امجد نے ان پر سب سے زیادہ اثرات مرتب کیے۔ لاہور میں آئے تو ان کی شاعری کی خوش بوچیلیتی چلی گئی۔ وہ حلقة ارباب ذوق کے سیکرٹری بھی رہے۔ لاہور میں ایک اشاعتی ادارہ ”المثال“، قائم کیا لیکن چند کتابیں شائع کر کے بند کرنا پڑا۔

انھوں نے تا عمر شاعری کو اپنا اور ہنا بچھونا بنائے رکھا۔ کچھ فلموں کے گیت بھی لکھے۔ ان کے گیارہ اردو اور تین پنجابی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

”تیز ہوا اور تنہا پھول“، ”جنگل میں دھنک“، ”شمنوں کے درمیان شام“، ”آغازِ زمان میں دوبارہ“، ”اس بے وفا کا شہر“، شامل ہیں جب کہ تمام کلام ”کلیاتِ منیر نیازی“ کی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں پنجابی شاعری میں ”سفر دی رات“، ”رسٹہ دن والے تارے“، ”چار چپ چیزاں“ شامل ہیں۔

انھیں ۱۹۹۲ء صدارتی ایوارڈ برائے حسن کا رکورڈی اور کمال فن ایوارڈ سے نوازا گیا، جب کہ ۲۰۰۵ء میں انھیں ستارہ امتیاز کا

اعزاز دیا گیا



غزل

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو منیر نیازی کی غزل میں پوشیدہ جذبات، احساسات اور تجربات سے متعارف کرانا۔
- غزل اور غزل کی فکری و فنی لوازمات کے بارے میں روشناس کرانا۔
- منیر نیازی کی غزل کے تجزیے اور تشریح کے ذریعے طلبہ کی تخلیقی سوچ اور تخلیل کو ترقی دینا۔

بے چین بہت پھرنا، گھبرائے ہوئے رہنا
 اک آگ سی جذبوں کی، دھکائے ہوئے رہنا
 چھکائے ہوئے چانا، خوشبو لپ لعلیں کی
 اک باش سا ساتھ اپنے، مہکائے ہوئے رہنا
 اس ٹھن کا شیوه ہے، جب عشق نظر آئے
 پردے میں چلنے جانا، شرمائے ہوئے رہنا
 اک شام سی کر رکھنا، کاجل کے کرشے سے
 اک چاند سا آنکھوں میں، چمکائے ہوئے رہنا
 عادت ہی بنالی ہے تم نے تو منیر اپنی
 جس شہر میں بھی رہنا، اُکتاۓ ہوئے رہنا

(کلیات منیر نیازی)



مشق

۱۔ مندرجہ ذیل کے مختصر جواب دیں:

- (الف) شاعر کی بے چینی، گھبراہٹ اور جذبوں کی آگ دہکانے کی کیفیت کا سبب کیا ہے؟
- (ب) منیر نیازی نے خوشبو کے ساتھ تعلق دو ابستگی کو کس طرح بیان کیا ہے؟
- (ج) شیوهِ حسن کیا ہے؟
- (د) چوتھے شعر میں شاعر نے حسن تعلیل کو برداشت کیا ہے، وضاحت کریں۔
- (و) شاعر نے کس عادت کو اپنالیا ہے؟ اس جذبے کو تخلیقی سطح پر بیان کریں۔

۲۔ مصروف مکمل کریں:

- (الف) اک آگ سی----- کی دہکائے ہوئے رہنا
- (ب) چھلکائے ہوئے چلانا، خوش بو----- کی
- (ج) اس----- کا شیوه ہے جب عشق نظر آئے
- (د) اک شام سی کر رکھنا----- کے کرشمے سے
- (و) جس شہر میں بھی رہتا، ----- ہوئے رہنا

۳۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) شاعر آگ دہکائے ہوئے رہتا ہے:

- | | |
|------------------|--------------|
| (الف) احساسات کی | (ب) جذبوں کی |
| (د) نالوں کی | (ج) آہوں کی |
- (ii) لپ لعلمیں کا مطلب ہے:

- | | |
|---------------------|--------------------|
| (الف) موئی کا کنارا | (ب) خوب صورت رخسار |
| (د) سرخ ہونٹ | (ج) پتلے ہونٹ |
- (iii) شاعر کا محبوب ہے:

- | | |
|--------------|------------|
| (الف) شرمیلا | (ب) غصیلا |
| (د) جھگڑا لو | (ج) جوشیلا |
- (iv) ”اک شام سی“ اور ”اک چاند سا“ میں ”سی“ اور ”سا“ قواعد کی رو سے ہیں:

- | | |
|---------------|----------------|
| (الف) استعارہ | (ب) مجاز مرسل |
| (د) مشہد ہے | (ج) حروفِ شبیہ |

(v) اس غزل کا آخری شعر قواعد کے لحاظ سے کھلا تا ہے:

- | | |
|--------------|---------------|
| (الف) مطلع | (ب) بیت الغزل |
| (د) حسن مطلع | (ج) مقطع |

۴۔ درج ذیل محاوارت کے معانی لکھیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں:

- | | |
|------------------|----------------|
| اللے ملنے کرنا، | پتا پانی ہونا، |
| نود گیا رہ ہونا، | فیل مچانا، |

۵۔ مندرجہ ذیل اشعار کی تفریق کریں:

بے چین بہت پھرنا ، گھرائے ہوئے رہنا
اک آگ سی جذبوں کی ، دھکائے ہوئے رہنا
چھکائے ہوئے چلنا ، خوش بو لپ لعلیں کی
اک باغ سا ساتھ اپنے ، مہکائے ہوئے رہنا

۶۔ منیر نیازی کی غزل کے قوافي بالترتیب لکھیں۔

تشبیہ: جب کسی چیز کو کسی مشترک صفت کی بنا پر اس کی کیفیت اور صورت حال کو مزید پر تاثیر اور کیف آور بنانے کے لیے کسی دوسری چیز کے مانند قرار دیا جاتا ہے تو اسے علم بیان کی اصطلاح میں تشبیہ کہتے ہیں۔ جس چیز کو تشبیہ دیں اسے مشتبہ، جس چیز کے ساتھ تشبیہ دیں اسے مشتبہ پہ، وہ صفت جس کی بنا پر تشبیہ دی جائے اسے وجہ شبہ اور وہ کلمہ یا حرف جو مشتبہ اور مشتبہ پہ کو ملاتا ہے، اسے حرف تشبیہ کہتے ہیں۔ اس طرح تشبیہ کے چار اركان ہوئے:

• مشتبہ	• حرف تشبیہ	• مشتبہ پہ	• وجہ شبہ
---------	-------------	------------	-----------

مثلاً: یہ کاغذ دودھ کی طرح سفید ہے۔

اس مثال میں ارکان تشبیہ اس طرح ہوں گے:

مشتبہ	مشتبہ پہ	حروف تشبیہ	وجہ شبہ
کاغذ	دودھ	کی طرح	سفید

محاورے اور ضرب الامثال کی طرح تشبیہ کو بھی زبان کا زیور سمجھا جاتا ہے اور اس کے استعمال سے کلام میں حسن اور خوبی پیدا جو جاتی ہے۔ مثلاً یہ تشبیہات دیکھیے:

پتھر کی طرح سخت، چٹان کے مانند مضبوط، شہد جیسا میٹھا، شیر کی طرح بہادر، ریشم کی مثل نرم، دن کی طرح روشن، رات کی طرح تاریک، تموار کی طرح تیز، خون کی طرح سرخ، کونکی طرح سیاہ، برف کی طرح نہنڈا، تیر کی طرح سیدھا، سمندر کی طرح گہرا اور غیرہ۔

طرفین تشبیہ: مشتبہ اور مشتبہ پہ کو طرفین تشبیہ کہا جاتا ہے۔

استعارہ: استعارہ کے لغوی معنی عاریت یا ادھار لینا کے ہیں مگر اصطلاح میں جب تم کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کریں کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔

استعارہ کے تین ارکان ہوتے ہیں:

(۱) مستعارہ (جس کے لیے استعارہ کیا جائے)

(۲) مستعار منہ (جس سے استعارہ لیا جائے)

(۳) وجہ جامع (مستعار لئے اور مستعار م禽ہ میں مشترک صفت)

استعارے میں مستعار لہ کا ذکر نہیں ہوتا، یہ اس کا امتیاز ہے۔ اسی طرح مستعار لہ اور مستعار منہ میں مشترک صفت کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ مثالیں:

(۱) کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

(۲) میرا جاند آیا۔

دوسرا مثال میں:

بیٹا متعارلہ (ذکر نہیں سے)

جیاند مستعار منہ

خوبصورتی وجہ جامع (ذکر نہیں ہے)

پہلی مثال میں جرأت و ہمت کے باعث حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو شیر کھا گیا ہے لیکن شعر میں ان کا ذکر نہیں ہوا۔ اسی طرح دوسری مثال میں ماں اپنے خوب صورت بیٹے کو چاند کہتی ہے اور بیٹے کا فقط استعمال نہیں کرتی۔ یہ دونوں مثالیں استعارہ کی ہیں۔
۷۔ منیر نیازی کی غزل کے اتحامی پہلوؤں پر گفتگو کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

۱۔ منیر نیازی کی یہ غزل زبانی یاد کرس اور غزل گوئی کے مقابلوں میں حصہ لیں۔

۲۔ اس غزل کے اشعار صحت تلفظ، درست آہنگ اور حرکات و مکنات و اشارات کے ساتھ یہ ڈھین۔

۳۔ منیر نیازی کی شخصیت اور فنی حوالے سے کسی نامور محقق اور نقاد کی تصنیف کا مطالعہ کریں اور انہم باتوں سے دوستوں کو آگاہ کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

۱۔ طلبہ کو بتا گیں کہ منیر نیازی اپنے معاصرین سے کس طرح منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ منیر نیازی کا کلام سننے کے لیے طلیہ کو کسی مشاعرہ کا نک بتائیں تاکہ طلیہ کا شعری ذوق بلند ہو۔





احمد فراز

(۱۹۳۱ء۔ ۲۰۰۸ء)

پاکستان کے نام و رومانوی شاعر احمد فراز کا اصل نام سید احمد شاہ اور تخلص فراز تھا۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے شہر نوشہر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید محمد شاہ جو برق تخلص کرتے تھے، بھی فارسی زبان کے ممتاز شاعر تھے۔ احمد فراز ایڈورڈ کالج پشاور میں طالب علمی کے زمانے سے ہی شعروادب کی دنیا میں قدم رکھے چکے تھے۔ وہ فیض احمد فیض اور علی سردار جعفری جیسے ترقی پسند شعراء سے بہت متاثر تھے۔ احمد فراز نے پشاور یونیورسٹی سے اردو اور فارسی میں ایم اے کیا۔ وہ کچھ عرصہ اسی یونیورسٹی میں اردو زبان و ادب کی تدریس سے بھی وابستہ رہے۔

احمد فراز کی شاعری میں غم دوران اور غم جاناں بے یک وقت ملتے ہیں۔ وہ سماجی نا انصافیوں کے خلاف ہر دور میں بغاوت کا علم باند کرتے رہے۔ اس کی پاداش میں انہوں نے کئی بار قید و بند کی صعبویتیں بھی برداشت کیں۔ احمد فراز مختلف اہم سرکاری عہدوں پر بھی فائز رہے۔ وہ ادارہ اکادمی ادبیات کے بانی ڈائریکٹر جزل تھے اور بعد ازاں اس کے چیئرمین بھی رہے۔ اس کے علاوہ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے بھی چیئرمین رہے۔

احمد فراز نے شعروادب میں بہت کام کیا اور خوب نام کایا۔ ان کے شعری مجموعوں میں ”تہا تہا“، ”جاناں جاناں“، ”ورآشوب“، ”خواب گل پریشاں ہے“، ”نایافت“، ”شب خون“، ”غیرہ شامل ہیں۔ ان کا تمام کلام ”کلیات احمد فراز“ کی شکل میں زیور طباعت سے آرائت ہو چکا ہے۔

احمد فراز کو ان کی علمی، ادبی خدمات کے حوالے سے متعدد اعزازات سے نواز گیا جن میں آدم جی ادبی انعام، کمال فن ایوارڈ، ستارہ امتیاز اور ہلال امتیاز شامل ہیں۔



غزل

تدریسی مقاصد:

- طلبہ میں شعر و ادب کی صلاحیت پیدا کرنا۔
- طلبہ میں تخلیقی صلاحیتیں کو بھارنا۔
- طلبہ کے جذبات کی اصلاح کرنا اور فکری بالیگی پیدا کرنا۔
- طلبہ میں شعر کی تشریح، تفہیم، تجزیہ اور تنقیدی صلاحیتیں پیدا کرنا۔
- طلبہ کو احمد فراز کی شاعری کے مختلف سماجی، ثقافتی اور سیاسی موضوعات سے آگاہ کرنا۔

سلسلے توڑ گیا وہ سمجھی جاتے جاتے
 ورنہ اتنے تو مراسم تھے کہ آتے جاتے
 شکوہ خلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
 اپنے حصے کی کوئی شع جلاتے جاتے
 کتنا آسان تھا ترے بھر میں مرتا جاناں
 پھر بھی اک عمر لگی ، جان سے جاتے جاتے
 جس ن مقتل ہی نہ بربپا ہوا ورنہ ہم بھی
 پابنجلاءں ہی سی ناچتے گاتے جاتے
 اُس کی وہ جانے ، اُسے پاسِ وفا تھا کہ نہ تھا
 تم فراز اپنی طرف سے تو نجاتے جاتے

(کلیاتِ احمد فراز)



مشق

۱۔ مندرجہ ذیل کے مختصر جواب دیں:

- (الف) احمد فراز سلسلہِ دوستی ختم ہونے کے باوجود مراسمِ رکھنے کی خواہش کس بنیاد پر کر رہے ہیں؟
- (ب) دوسرے شعر سے ہمیں کون سا اخلاقی سبق ملتا ہے؟
- (ج) شاعر کو ہجر میں مرننا بے یک وقت آسان اور مشکل کیوں لگتا ہے؟
- (د) احمد فراز کا چوتھا شعر انتلابی اور مزاجی نوعیت کا ہے، اس کی وضاحت کریں۔
- (و) آپ کے خیال میں کیا یک طرفہ طور پر وفا کارشنہ نجایا جاسکتا ہے؟

۲۔ مصروع مکمل کریں:

- (الف) شکوہ----- سے تو کہیں بہتر تھا
- (ب) پھر بھی اک----- جان سے جاتے جاتے
- (ج) ورناتئے تو----- تھے کہ آتے جاتے
- (د) ----- ہی نہ برپا ہو اور نہ ہم بھی
- (و) تم----- اپنی طرف سے تو نجاتے جاتے

۳۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

- | | | | |
|---|---------------------|-----------------|---------------------------|
| (i) جاتے جاتے توڑ گیا: | (ا) تعلقات | (ب) راہ و رسم | (ج) مراسم |
| (iv) اپنے حصے کی جلاتے: | (ا) آگ | (ب) موم بثی | (ج) اگر بتنی |
| (ii) شاعر نے حوصلہ شکنی کی ہے: | (ا) مایوسی کی | (ب) اداسی کی | (ج) تہائی کی |
| (iii) اگر جشن مقتل برپا ہوتا تو شاعر جاتا: | (ا) ناچتے گاتے ہوئے | (ب) گاتے ہوئے | (ج) گریہ و زاری کرتے ہوئے |
| (v) فراز غزل کے مقطع میں بے وفائی کے بدله بات کر رہے ہیں: | (ا) بدلہ لینے کی | (ب) وفا کرنے کی | (ج) بے وفائی کی |
| (d) تعلق منقطع کرنے کی | (د) سلطے | | |

۴۔ احمد فراز کی اس غزل کا کون سا شعر آپ کو زیادہ پسند ہے؟ وجہ بھی بیان کریں۔

۵۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کے جملے بنائیں:

مراسم ظلمت شب جشن مقتل پابجولاں پاس وفا

۶۔ اس غزل کے قوافی اور ردیف کی پہچان کرتے ہوئے اپنی کاپیوں میں درج کریں۔

۷۔ مندرجہ ذیل اشعار کی فکری و فنی حوالوں سے تشریح کریں:

(الف) شکوہ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

(ب) جشن مقتل ہی نہ بربپا ہوا ورنہ ہم بھی
پابجولاں ہی سہی ناچتے گاتے جاتے

صنعتِ مراعاتِ انظیر:

وہ صنعت جس کے ذریعے سے شعر میں کچھ ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو ایک ہی رعایت یا ایک ہی قبل کے ہوتے ہیں۔ مثلاً:

اقبال کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا
ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو

اس شعر میں ناخدا (کشتی کے ملاج)، بحر، کشتی اور ساحل کے الفاظ جمع ہو جانے سے مراعاتِ انظیر کی شرائط پوری ہو گئی ہیں۔

۸۔ احمد فراز کی اس غزل میں ایسے شعر کی شاخت کریں جس میں آپ سمجھتے ہیں کہ صنعتِ مراعاتِ انظیر استعمال ہوئی ہے۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

۱۔ احمد فراز کی یہ غزل زبانی یا وکریں اور دوستوں کو سناویں۔

۲۔ احمد فراز کی کوئی اور غزل اپنی ڈائری میں لکھیں اور اشعار کا بر محل استعمال کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

۱۔ طلبہ کو مردف اور غیر مردف غزل کا فرق سمجھائیں۔

۲۔ طلبہ کو شعری محسن سے روشناس کرائیں۔

۳۔ طلبہ کو غزل کی دیگر شعری اصناف سخن سے انفرادیت کے بارے میں بتائیں۔





پروین شاکر

(۱۹۵۲ء - ۱۹۹۳ء)

میسوں صدی کی ممتاز اردو شاعرہ کا پورا نام سیدہ پروین شاکر تھا۔ ابتداء میں ان کا تخلص ”بینا“ تھا۔ کراچی میں پیدا ہوئیں لیکن ان کا آبائی وطن حصین آباد ضلع شیخو پورہ بہار تھا۔ پروین شاکرنے رضویہ کالونی سے میرک کامتحان پاس کیا اور سر سید کالج کے شعبہ فنون میں داخلہ لیا۔ انہوں نے کراچی یونیورسٹی سے انگریزی ادب اور لسانیات میں ایم۔ اے کی ذریعہ حاصل کیں۔ ۱۹۸۲ء میں انہوں نے سول سرسوں کا امتحان پاس کیا اور یوں کشم اینڈ ایکسائز ڈیپارٹمنٹ میں ڈپٹی کلکٹر کشم کے عہدے پر فائز ہو گئیں۔ اس سے پہلے وہ نو سال تک درس و تدریس کے شعبے سے بھی واپسی رہیں۔

اوی زندگی میں ان کی سرگرمیاں ۱۹۶۶ء میں اس وقت شروع ہوئیں جب سر سید کالج کی بزمِ ادب نے ایک مقابلہ بیت بازی منعقد کر دیا۔ یہ پہلا پروگرام تھا جس میں پروین شاکر کی اوی اور شاعرانہ صلاحیتوں کا اظہار ہوا۔ انھیں گولڈ میڈل دیا گیا۔ پروین شاکر نے بہت چھوٹی عمر میں شاعری اور نشر دونوں میں طبع آزمائی شروع کر دی تھی۔ اردو اخبارات میں مضمایں بھی شائع ہوئے۔ پروین شاکر کی شادی اپنے کزن ڈاکٹر نصیر سے ہوئی جو بعد میں علیحدگی پر منجھ ہوئی۔

شاعری کے پہلے مجموعے ”خوبیو“ کو زبردست پذیرائی ملی۔ ”صد برگ“، ”خود کلامی“، ”انکار“ اور ”کف آئینہ“ کو بھی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کے کالموں کا مجموعہ ”گوشہ چشم“ کے عنوان سے شائع ہوا۔ بعد ازاں ان کی شاعری کلیات ”ماہ تمام“ کی صورت میں سامنے آئی۔ پروین شاکر نے غزل کے ساتھ ساتھ آزاد نظم میں بھی طبع آزمائی کی۔ ان کے نمایاں موضوعات محبت، نسوانیت پسندی اور سماجی ذاتیں ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں محبت، حسن اور ان کے تضادات کو نئے زاویوں سے پرکھتی اور استعاروں، تشبیہات وغیرہ کا عمدہ استعمال کرتی ہیں۔

تتلی، بادل، خوبیو، بارش اور آندھی وغیرہ ان کے معروف استعارے اور علامتیں ہیں۔ حکومت پاکستان کی طرف سے انھیں تمغاۓ حسن کا رکرداری دیا گیا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو پروین شاکر کی کار اسلام آباد میں ایک بس سے گکرائی جس کے باعث ان کا انتقال ہوا۔ جس سڑک پر یہ حادثہ ہوا اُس کا نام پروین شاکر کے نام سے منسوب کر دیا گیا۔



غزل

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو پروین شاکر کی شاعری میں پائے جانے والی شعری خوبیوں یعنی تشبیہات، استعارات اور زبان کی ندرت کی شناخت، ادبی جماليات اور شعری حسن کو بخشنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔
- طلبہ سے نسوی اور تاثیلی ادب کے بارے میں گفتگو کرنا۔
- طلبہ کو پروین شاکر کی غزل کے مضامین اور موضوعات کے بارے میں بتانا۔

بادبान کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا
 میں سمندر دیکھتی ہوں تم کنارہ دیکھنا
 یوں بچھڑنا بھی بہت آسان نہ تھا اُس سے مگر
 جاتے جاتے اُس کا وہ مُز کر دوبارہ دیکھنا
 کس شبہت کو لیے آیا ہے دروازے پہ چاند
 اے شبِ هجراء! ذرا اپنا ستارہ دیکھنا
 کیا قیامت ہے کہ جن کے نام پر پسپا ہوئے
 ان ہی لوگوں کو مقابل میں صف آرا دیکھنا
 جتنے میں بھی جہاں جی کا زیاد پہلے سے ہے
 ایسی بازی ہارنے میں کیا خسارہ دیکھنا
 آئینے کی آنکھ ہی کچھ کم نہ تھی میرے لیے
 جانے اب کیا کیا دکھائے گا تمہارا دیکھنا
 ایک مشت خاک اور وہ بھی ہوا کی زد میں ہے
 زندگی کی بے بسی کا استعارہ دیکھنا

(ماہِ تمام)



مشق

۱۔ مندرجہ ذیل کے مختصر جواب دیں:

- (الف) پروین شاکر کو خوش بوئی شاعرہ کیوں کہا جاتا ہے؟
- (ب) ”سمندر“ اور ”کنارہ“ کن دو متصاد صورتوں کی علامتیں ہیں؟
- (ج) شاعرہ کے مقابل کون لوگ صفات آ رہے ہیں؟
- (د) پروین شاکر کے نزدیک جیت جانے میں ہار کا پہلو س طرح پوشیدہ ہے؟
- (و) شاعرہ نے آخری شعر میں انسانی بے بسی اور بے شباتی کا نقشہ کن الفاظ میں کھینچا ہے؟

۲۔ مصروع مکمل کریں:

- (الف) کھلنے سے پہلے کا اشارا دیکھنا
- (ب) کیا قیامت ہے کہ جن کے نام پر ہوئے
- (ج) میں بھی جہاں جی کا زیاں پہلے سے ہے
- (د) ایک اور وہ بھی ہوا کی زدیں ہے
- (و) ایسی بازی میں کیا خسارہ دیکھنا

۳۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) شاعرہ دیکھنے کا کہ رہی ہیں:

- | | | | |
|-------------|-----------|-----------|----------|
| (الف) کنارہ | (ب) طوفان | (ج) سمندر | (د) ساحل |
|-------------|-----------|-----------|----------|
- (ii) بچھڑنا تھا:

- | | | | |
|-------------|----------|----------|-----------|
| (الف) دشوار | (ب) آسان | (ج) مشکل | (د) قیامت |
|-------------|----------|----------|-----------|
- (iii) دروازے پر آیا:

- | | | | |
|------------|----------|-----------|-----------|
| (الف) چاند | (ب) سورج | (ج) ستارہ | (د) سیارہ |
|------------|----------|-----------|-----------|
- (iv) مقابلے پر وہ لوگ آگئے جن کے نام پر ہوئے:

- | | | | |
|-------------|-----------|---------|----------|
| (الف) قربان | (ب) بدنام | (ج) پپا | (د) شکنہ |
|-------------|-----------|---------|----------|
- (v) شاعرہ کے لیے کچھ کم نہ تھی:

- | | | | |
|--------------------|------------------|------------------|-------------------|
| (الف) نرگس کی آنکھ | (ب) آپنے کی آنکھ | (ج) غزال کی آنکھ | (د) بیمار کی آنکھ |
|--------------------|------------------|------------------|-------------------|

۴۔ غزل کے درج ذیل اشعار کی تشریح فلکری اور قصیٰ حوالوں سے کریں۔

(الف) آئینے کی آنکھ ہی کچھ کم نہ تھی میرے لیے (ب) ایک مشت خاک اور وہ بھی ہوا کی زد میں ہے
جانے اب کیا کیا دکھائے گا تمھارا دیکھنا
زندگی کی بے بی کا استعارہ دیکھنا

۵۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معانی لکھیں:

بادبائیں	شبہت	صف آراء	مشت خاک	شب بھراں
----------	------	---------	---------	----------

۶۔ پروین شاکر کی زیرِ نظر غزل پر ایک احسانی اور تنقیدی نوٹ لکھیں۔

۷۔ درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیں:

مقابل	زیال	آئینہ	شبہت	بادبائیں	پسپا
-------	------	-------	------	----------	------

۸۔ پروین شاکر کی اس غزل کے قوافی اور روایف کی تشنادی کریں:

سر گرمیاں برائے طلبہ:

- اس غزل کو کمرہ جماعت میں درست تلفظ کے ساتھ بلند آہنگ کے ساتھ پڑھیں۔

- پروین شاکر کی کلیات ”ماہِ تمام“، سکول/کالج کی لائبریری سے جاری کروائیں اور منتخب اشعار ڈائری میں نقل کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- پروین شاکر کے سوانحی کو انف اور شاعری کی منفرد خصوصیات سے طلبہ کو آگاہ کریں۔

- طلبہ کو پروین شاکر کی شاعری اس کے کسی شعری مجموعے سے پڑھ کر سنا کیں۔

- طلبہ کو پروین شاکر کی شاعری کے موضوعات کا تعارف کرائیں۔



فرہنگ

(بِلَاحَاظِ الْفَوَافِ بِالْأَنْتَرِيُوبِ)

فرہنگ میں الفاظ کے باہم وہ معانی دیے ہیں جو متن سے مطابقت رکھتے ہیں۔

سردی : دلگی، روایی سرورِ دلبراں : دوستوں اور محبوبوں کے سردار شادہ : گواہ جو کسی بات کی تائید یا تردید کرے عاليٰ نسب : اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے والے شو : کرن، روشنی قابل قوسین : دو کمان کا فاصلہ، مراد: بہت قریب قریں : نزدیک یارا نہیں : جرأت نہیں، ہمت نہیں	(۱) محمد افق : دنیا، آسمان کا کنارہ باب شہود : ظاہر ہونے والا دروازہ جل : پھاڑ، کوہ حرفِ وفا : وفا کی عبارت حشر پا ہونا : قیامت برپا ہونا، ہنگامہ ہونا دوام : ہمیشہ ہمیشہ رنگِ جمال : خوبصورتی روش : باغ میں چہل قدمی کا راستہ سوزار : جلتا ہوا، بھڑکتا ہو	شانِ جلال : رعب و بدیہ شعلہ نوا : گرم گفتار مرقوم : لکھا ہوا مکتوم : پوشیدہ، مخفی مونجِ کرم : سخاوت۔ عنایت کی لہر نجومِ بکف : ہتھیلی پر رکھنے تارے	(۲) نعمت نفس : نفس، لوگ، انسان بزمِ کوئین : دنیا اور آخرت کی بزم سنت کی جمع صیغہ : سچائی اور یقین کے ساتھ غیرت : غمگین، دکھنی، رنجیدہ غیر متبدل : بیش قیمت موتی قدیم : رسائی، پہنچ فرطِ محبت : خاندان، قبیلہ، کنہب فطرتِ ثانیہ : مل کھائے ہوئے بال، چمک دار بال گرانی : بھاری پن، بدھضی
--	---	---	--

لطفِ طبع :	مزاج کی لطافت، عمدہ طبیعت
نداومت :	ہمیشہ
مقدم :	پہلا، اولیت کا حامل
مولا :	ایک پرندہ جس کے پیٹ پر کالی وہاریاں ہوتی ہیں
(۲) ایک استاد عدالت کے کٹھرے میں	
احترامِ فائقة :	بہت زیادہ عزت و احترام
بانی :	قافیہ دار جملے
براہمن ہونا :	تشریف فرمانا ہونا
براڈ کاسٹنگ :	ریڈیو کے ذریعے سے آواز دوڑ دوڑ پہنچانا
تشنج :	اشنخ، جھنکے کی بیماری
حکم عدوی کرنا :	حکم کی خلاف ورزی کرنا
دیوار غیر ریکٹر :	پردیں، غیر ملک
سٹی گم ہونا :	حوالہ باختہ ہونا، گھبرا جانا
فارز :	غیر ملکی (Foreigner)
فیوڈ لارڈ :	جاگیردار
قیلولہ کرنا :	دوپہر کو کھانے کے بعد آرام کرنا
لامبائی طبیعت :	غیر سنجیدہ مزاج
ہائک رہاتھا :	فضول با تیس کر رہا تھا
(۵) چار پائی	
آئی ایس :	اندین سول سروس
بیگ بھی :	پوتلی
تاملوٹ :	پانی پینی کا برتن، گڑوی
توقف کرنا :	وقفہ کرنا
جوشنادہ :	جوش دی ہوئی دوا، کاڑھا
خوانچہ :	چھاڑی
سمن :	عدالت میں حاضر ہونے کا تحریری حکم
شکستہ حال :	پریشان، خستہ حال
فلکر سخن :	وہ غور فکر جو شعر کہنے کے واسطے ہوتا ہے
کمزور، ضعیف :	ناتوان

نہال :	پودا، پھل دار درخت
یک قلم :	بالکل، یک لنت، فوراً
(۷) فاقہ میں روزہ	
افلاس :	مفلس
اول شب :	رات کا پہلا حصہ
بہت مشکل سے	بہت مشکل سے
بچاؤں :	ہندی سال کا چھٹا اور برسات کا آخری مہینا
تاراج ہونا :	کسی مقام کا تباہ یا ویران ہونا
تنقیق نگ :	تموار اور بندوق
ٹھائی :	بے کار، خالی، بکتا
جوہر نگار :	مرصع، جڑا، جس میں جواہرات لگے ہوں
چوپاڑ :	چوپال
دال سخو :	دال سویاں
رتھ :	دو پیوں والی نیل گاڑی
زیر وزیر ہونا:	الٹ پلٹ جانا
صلاح :	مشورہ
گے بیرا :	ہمیں کیا خبر
سکے کام :	کیا کام
لبولعب :	کھیل تماشا
مراقبہ :	گیان و صیان، سوچ بچار
مکلف :	پر ٹکف
واگزاشت :	قبضہ چھڑانا، آزاد، بحال
ہوا بیان اڑنا:	چہرے کا رنگ فٹ ہونا
(۸) پاکستانی زبانیں اور ان کا باہمی رشتہ	
بکنا :	سکیاں بھر کے روٹا، پھل کروٹا
بُوکھلانا :	بدھواس ہوتا
بھرا پرا گھر :	پر رونق گھر
بے شدھ :	بے خبر
پاؤں نکالنا :	حد سے تجاوز کرنا
پٹ کھولنا :	دروازہ کھولنا
تار :	برقی پیغام، ٹیلی گراف
آمیزش :	ملاد
استفادہ کرتا:	فائدہ اٹھاتا
بیش بہا :	جیتی، عمدہ، زیادہ
پاسداری :	طرف داری، حمایت
پیوست ہوتا:	دو چیزوں کا باہمی مل جانا

جوی پڑی ہوتا :	پریشان ہونا، بکھر جانا
خون کی ہولی کھیننا :	حد درج قتل و خون ریزی کرنا
دام غارت جائیں :	پیسے ضائع ہوں
دیگرے سے :	آہستہ سے
ڈبڈباتی آنکھیں :	آنوبھری آنکھیں
سردھر کی بازی لگانا :	جان پر کھیل جانا، خود کو قربان کرنا
سرہلانا :	سر پر ہاتھ پھیر کر تسلی کی باتیں کرنا
نذر حال ہونا :	کمزور ہونا
نیم دیوانگی :	پاگلوں کی ہی کیفیت
(۱۱) نیا قانون :	(۱۱) نیا قانون
(۱۲) تاریخ کا کفن	
آتشیں بگولا :	آگ کا بگولا
آہنی چھت :	لوہ کی چھت
بالائی حصہ :	اوپر کا حصہ
بیان :	عور
بیشتر :	زیادہ تر
پیشین گولی :	کسی ولقے کے ظاہر ہونے سے پہلے خبر دینا
تحریک سرخ پوش :	باقاخان کی تحریک
تحویل :	کسی جانور کا منہ
لودی بچہ :	انگریزوں کا پیشو، چاپلوں، خوشامدی
چشم زدن میں :	پلک جھکنے میں
خلط ملط کرنا :	گذندہ کر دینا
خیرہ کن :	آنکھوں کو چندھیانے والا، حیرت انگیز
درخشاں و تاباں :	روشن اور چک دار
روفت سے :	نکبر اور غرور سے
سوسیت اشتراکی نظام :	روس میں رائج سو شلزم کا نظام
ششدرو مختصر :	حیران ہوتا
ٹویا کرہا :	محبوراً
عملی تشكیل :	عملی صورت، عملی شکل
غیر مرئی :	نظر نہ آنے والی
قياسات :	اندازے

(۱۳) اے وادی لوالب

پیغامِ عالم گیر آزادی:	دنیا بھر کے انسانوں کی آزادی کا پیغام	بے سوز :	رنج اور غم کی کیفیت سے خالی
تائیر آزادی :	جذبہ آزادی کا اثر	بے تاب :	بے صبر، بے چین
تحیر آزادی :	آزادی کی توہین	سیماں :	پارہ، مراد: بے قرار، مضطرب
تحیر :	حیرت	صاحبِ نگاہ :	آواز یا شور برپا کرنے والا
تعیر آزادی :	آزادی کے خواب کی عملی صورت	فراست :	دانائی، ذہانت، تیز فہمی
تویر :	کرن، روشنی	لغانِ حری :	صحیح کے وقت کی آہو زادی، فریاد
حشرتک :	قیامت تک	مرغانِ حر :	صحیح کے پرندے
ذوق اشارہ عمل :	قربانی اور عمل کا ذوق و شوق	مضراب :	ایک ساز
رہرو :	مسافر	موقوف :	محصر
زیپ طاق نیاں :	مراد ہے یکسر جلا دیا جانا	مئے ناب :	خالص شراب
پروانہ آزادی کی جلی سرخی :		نایاب :	ناپید، بیش قیمت
نسل درسل غلامی :	غلام ان غلام :	نوہا نے جگرسوز :	جگر کو جلانے والی آوازیں
شمعیں :	قدیمیں	(۱۴) اودیں سے آنے والے بنا	
الله کی کتاب، قرآن مجید :	کتاب اللہ :		
گردش گروں :	آسمان کی گردش، مراد: زمانے کی گردش		

(۱۶) إخلاص

خلاص :	خلاص، پتی ہمدردی	احباب :	دوست، پیارے، بیار
بے یک جنبش :	ایک ہی اشارے سے	برکھا :	برسات
صیاد :	شکاری	چاہ :	چاہت، محبت، خواہش
مٹ جانا :	فنا ہونا	ریحان :	ایک تیز خوش بودار پودا
گفتار :	گفتگو	سرمت :	متوالا، سرشار، مددوں، کیف و وجہ کے عالم میں
گفتہ حُمَن :	رحمان بابا کا کلام	سرہ :	ایک سید حالم باخڑی طی شکل کا درخت
بُہما :	خوش نسبی کا ایک فرضی پرندہ	غُربت :	وطن سے دوری، پر ولیں
بُہم دُوش :	برابر، شانہ بے شانہ	گنغان :	فلسطین کا قدیم نام جو حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کا وطن تھا
(۱۷) کھڑا ڈر		گھنگھور گھٹا :	سیاہ اور گہرہ بادل

گھنگھرے : درخت جن کی شاخیں پاس پاس اور بہت سی

(۱۵) آزادی

اُدھار کھانا :	تل جانا	ہول :	
اسیر حلقة خوبی :	حسینوں کی محبت میں گرفتار	مہتاب :	چاند، قمر، چاندنی
رقبہ :	مخالف، دشمن		
سہما ہوا :	ڈرا ہوا		

بزم :

<p>(۲۱) غزل: احمد فراز</p> <table border="0"> <tr> <td>دہکنا</td> <td>: آگ بہڑ کانا</td> </tr> <tr> <td>شیوه</td> <td>: دستور</td> </tr> <tr> <td>اپ لعلیں</td> <td>: اعل جیسے ہوئ، سرخ ہونٹ</td> </tr> </table>	دہکنا	: آگ بہڑ کانا	شیوه	: دستور	اپ لعلیں	: اعل جیسے ہوئ، سرخ ہونٹ	<p>شتر پے مہار : (مجازاً) بے لگام، بے قابو شہیدِ تم ہائے کم نگاہی: بے پروائی کے تم کے مارے ہوئے صف آرا : اڑائی کے لیے آمادہ غريب الدیار : پرنسی، مسافر فرست ایڈ : ابتدائی طبقی امداد غم غوماہی : پرندے اور مچھلیاں تان کا پارہ : روٹی کا نکڑا ئے : (کلمہ نفعی) نہ، نہیں</p>																
دہکنا	: آگ بہڑ کانا																						
شیوه	: دستور																						
اپ لعلیں	: اعل جیسے ہوئ، سرخ ہونٹ																						
<p>(۲۲) غزل: پروین شاکر</p> <table border="0"> <tr> <td>پاس وقا</td> <td>: وعدے کا خیال کرنا، وفا کا خیال کرنا</td> </tr> <tr> <td>جاناں</td> <td>: محبوب، پیارا</td> </tr> <tr> <td>ظلمت شب</td> <td>: رات کی سیاہی</td> </tr> <tr> <td>مراسم</td> <td>: تعلقات</td> </tr> </table>	پاس وقا	: وعدے کا خیال کرنا، وفا کا خیال کرنا	جاناں	: محبوب، پیارا	ظلمت شب	: رات کی سیاہی	مراسم	: تعلقات	<p>آب تنی : تکوار کی چمک، دھار آب گوارا : اطیف اور خوش ڈالنے پانی چلتی : آنکھ کا گول سیاہ حصہ جی کا زیاب : دل کا نقصان، مراد: دل ہارنا چارہ گری : علاج، درمان چشم : آنکھ، نظر دلبر : پیارا صیاد : شکاری</p>														
پاس وقا	: وعدے کا خیال کرنا، وفا کا خیال کرنا																						
جاناں	: محبوب، پیارا																						
ظلمت شب	: رات کی سیاہی																						
مراسم	: تعلقات																						
<p>(۱۸) غزل: میر تقی میر</p> <table border="0"> <tr> <td>استعارہ</td> <td>: علم بیان کی ایک اصطلاح، لفظی معنی: مستعار لیتا، قرض لینا، عارضی طور سے مانگ لینا</td> </tr> <tr> <td>بادبान</td> <td>: وہ پردو جو ہوا پھرنے یا ہوا کارخ بدلتے کے لیے کشی یا جہاز پر لگاتے ہیں</td> </tr> <tr> <td>بنام دل</td> <td>: دل کے نام پر</td> </tr> <tr> <td>بے بُسی</td> <td>: لاچاری</td> </tr> </table>	استعارہ	: علم بیان کی ایک اصطلاح، لفظی معنی: مستعار لیتا، قرض لینا، عارضی طور سے مانگ لینا	بادبान	: وہ پردو جو ہوا پھرنے یا ہوا کارخ بدلتے کے لیے کشی یا جہاز پر لگاتے ہیں	بنام دل	: دل کے نام پر	بے بُسی	: لاچاری	<p>(۱۹) غزل: فراق گورکھ پوری</p> <table border="0"> <tr> <td>ایسوں کا</td> <td>: اس طرح کے لوگوں کا</td> </tr> <tr> <td>ترکِ محبت</td> <td>: محبت سے کنارہ کشی کرنا</td> </tr> <tr> <td>جلوہ گہ ناز</td> <td>: محبوب کے نظارے اور دیدار کا مقام</td> </tr> <tr> <td>رنجش</td> <td>: تاراضی، کدو روت</td> </tr> <tr> <td>سودا</td> <td>: جنون</td> </tr> <tr> <td>ٹکیبا</td> <td>: برداشت کرنے والا، صبر کرنے والا</td> </tr> <tr> <td>یگانہ</td> <td>: سچا دوست، قربی ساختی</td> </tr> </table>	ایسوں کا	: اس طرح کے لوگوں کا	ترکِ محبت	: محبت سے کنارہ کشی کرنا	جلوہ گہ ناز	: محبوب کے نظارے اور دیدار کا مقام	رنجش	: تاراضی، کدو روت	سودا	: جنون	ٹکیبا	: برداشت کرنے والا، صبر کرنے والا	یگانہ	: سچا دوست، قربی ساختی
استعارہ	: علم بیان کی ایک اصطلاح، لفظی معنی: مستعار لیتا، قرض لینا، عارضی طور سے مانگ لینا																						
بادبान	: وہ پردو جو ہوا پھرنے یا ہوا کارخ بدلتے کے لیے کشی یا جہاز پر لگاتے ہیں																						
بنام دل	: دل کے نام پر																						
بے بُسی	: لاچاری																						
ایسوں کا	: اس طرح کے لوگوں کا																						
ترکِ محبت	: محبت سے کنارہ کشی کرنا																						
جلوہ گہ ناز	: محبوب کے نظارے اور دیدار کا مقام																						
رنجش	: تاراضی، کدو روت																						
سودا	: جنون																						
ٹکیبا	: برداشت کرنے والا، صبر کرنے والا																						
یگانہ	: سچا دوست، قربی ساختی																						
<p>(۲۰) غزل: منیر نیازی</p> <table border="0"> <tr> <td>اکتا</td> <td>: پیزار ہونا</td> </tr> <tr> <td>بے چین</td> <td>: بے قرار</td> </tr> </table>	اکتا	: پیزار ہونا	بے چین	: بے قرار																			
اکتا	: پیزار ہونا																						
بے چین	: بے قرار																						

